3

بیادگار: حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

خواتین کا ترجمان

ماہنامہ

# رضوان

لکھنؤ

جلد نمبر ۶۴

شمارہ نمبر ۱۱

نومبر ۲۰۲۰ء

November 2020

ایڈیٹر

محمد حمزہ حسنی

مجلس ادارت

میمونہ حسنی — عائشہ حسنی

جعفر مسعود حسنی — محمود حسن حسنی

سالانہ زرتعاون

برائے ہندوستان : ۳۰۰/روپے

غیر ملکی ہوائی ڈاک : ۴۰/امریکی ڈالر

فی شمارہ : ۳۰/روپے

لائف ٹائم خریداری : ۸۰۰۰/روپے

نوٹ

خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر اور مکمل صاف پتہ ضرور لکھیں، اگر مدت خریداری کے ختم ہونے کے وقت کی پرچی پتہ کی چٹ پر لگی ہو تو براہ کرم مدت خریداری ختم ہوتے ہی رقم ارسال فرمائیں۔ (منیجر)

ڈرافٹ پر RIZWAN MONTHLY لکھیں

زر تعاون اور خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ رضوان

۳۷ گوئن روڈ لکھنؤ

پن کوڈ: ۲۲۶۰۱۸ - موبائل: ۹۴۱۵۹۱۱۵۱۱

Rizwan (Monthly)

37 Gwynne Road Lucknow

Pin:226018- Mobile: 9415911511

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کے لیے کاکوری آفسیٹ پریس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا

کمپوزنگ: ناشر کمپیوٹر، لکھنؤ۔ فون: 9792913331

E-Mail : azizpaitepuri@gmail.com

# فہرست مضامین


- اپنی بہنوں سے ..... مدیر ..... 5
- حدیث کی روشنی میں ..... امۃ اللہ تسنیم ..... 6
- مسجدوں کی حفاظت اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں ... مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ..... 8
- مقام صحابہ رضی اللہ عنہم ..... پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن ..... 11
- زندہ لاش کی طرح جینے کی روش آخر کب تک؟ ..... مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ..... 17
- قرآن مجید کی بعض سورتیں اور اس کے فضائل ..... مفتی محمد ظہیر صادق حسامی ..... 20
- تعلیم نسواں کی عصری معنویت ..... ڈاکٹر کمال اختر (علیگ) ..... 23
- بیٹی اللہ کی رحمت ..... تبسم ناز ..... 26
- حضرت عمرؓ کا دورِ خلافت انسانی مساوات کا مثالی دور .. احمد نور ..... 28
- یوم عاشورہ کی عظمت وفضیلت ..... مفتی حافظ سید صادق محی الدین فہیم ..... 33
- سوال وجواب ..... مفتی راشد حسین ندوی ..... 37
- میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟ ..... بحوالہ روزنامہ ''منصف'' حیدرآباد ..... 38
- آخری صفحہ ..... مولانا قمر الزماں ندوی ..... 41-42

# اپنی بہنوں سے

**مدیر**

مسلمان عورت کو اس کا صاف اور صریح حکم ہے کہ وہ غیر محرم مردوں کے اختلاط اور میل جول سے بچے اور ان تمام لغزشوں سے حفاظت کے لئے زیب و آرائش کے اظہار اور بن ٹھن کر نکلنے کی ممانعت سختی کے ساتھ کی گئی ہے حتیٰ کہ حکم ہے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھے قرآن کریم نے اس کی تفصیل سے ہدایت کی ہے اور بغیر کسی تفریق کے حکم دیا ہے۔

**وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ۔**

ترجمہ: اور فرما دیجئے مسلمان عورتوں سے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کی جگہوں کو ظاہر نہ کریں مگر جو کھلی ہوئی رہتی ہیں، جس کے چھپانے میں حرج ہے، اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر اسی حکم پر عمل کیا جاتا تو آج جو بے حیائی کے یہ مناظر دکھائی دیتے ہیں ان کا نام ونشان تک نہ ہوتا اور آزادی و بے باکی پرورش نہ پاتی، تجربہ بتلاتا ہے کہ جس زمانہ تک مسلمان مردوں اور عورتوں نے اس حکم پر سختی سے عمل کیا پورے پورے ملک میں ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہ آیا جو بے حیائی کا مرقع کہلایا جا سکتا اور صرف یہی نہیں کہ کوئی برائی میں مبتلا ہوتا کسی کی یہ مجال تک نہ ہوتی کہ وہ کسی عورت کی طرف بری نگاہ اٹھا سکے، اور آج بھی جن مسلمان ملکوں میں حیا و پاکدامنی کا یہ شعار قائم ہے وہاں برسوں گزر جاتے ہیں مگر کسی عورت کی بے آبروکا ایک واقعہ بھی پیش نہیں آتا لیکن ایک آدھ ملک کے علاوہ ہر ملک میں بے حجابی کی منظم تحریکیں چلائیں گئیں اور ان پاک باز بی بیوں کو (جن کو نگاہ تک نیچی رکھنے کا صریح حکم ہے) آوارہ پھرنے اور غیر مردوں سے اختلاط کی تلقین کی گئی اس کے لئے ایسے دلکش انداز اور دلآویز طریقے اختیار کئے گئے اور چاروں طرف ایسا ماحول بنایا گیا کہ حجاب فرسودہ اور ناقابل عمل طریقہ سمجھا جانے لگا۔ وہ مسلمان خاندان جو نئی تعلیم سے آراستہ تھے اور یورپین تہذیب و تمدن کے دلدادہ تھے وہ حجاب و نقاب کو باعث شرم سمجھنے لگے۔ غیر مردوں اور غیر عورتوں کا اختلاط دوستی اور بے تکلفی رقص و سرود، جسموں کی آرائش و زیبائش اور مختلف طریقوں سے ان کا اظہار عین ترقی یافتہ سمجھا جانے لگا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بے حیائی کے تمام وہ مناظر سامنے آئے جن کے تصور سے بھی اب سے پہلے کوئی مسلمان عورت کانپ اٹھتی تھی۔..... ان تمام فحش کاریوں اور بے حیائی کے کریہہ مناظر کے سلسلے کی پہلی کڑی چہرے سے نقاب الٹنے کی تحریک تھی جس کو قرآن و حدیث کے نام اور تہذیب و تمدن کے واسطے سے شروع کیا گیا اور یہ بات اتنی بڑھی کہ رقص گاہوں، کلبوں اور ان میں اختلاط اور بے تکلفی کو ناکافی سمجھا گیا اور ایک ایسا طریقہ نکالا گیا جس کے بعد بے حیائی کا شاید ہی کوئی درجہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس سے حفاظت فرمائے۔ آمین

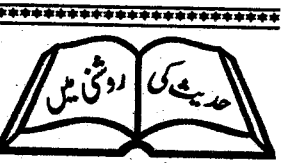

# نفس کو خبیث کہنے کی ممانعت

امۃ اللہ تسنیم

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ اپنے نفس کو خبیث نہ کہا کرو اور کہنا ہو تو یہ کہا کرو کہ میرا نفس کاہل اور سست ہو گیا ہے۔ (بخاری۔ مسلم)

**انگور کو کرم کہنے کی ممانعت:** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انگور کا نام کرم مت رکھو۔ کرم مسلمان کے لئے موزوں ہے۔ (بخاری، مسلم)

ایک روایت میں ہے کہ کرم مومن کا دل ہے۔

اور بخاری و مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ کرم مومن کا دل ہے۔

حضرت وائلؓ بن حُجر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انگور کو کرم نہ کہو، ہاں عنب اور حبلہ کہہ سکتے ہو۔ (مسلم)

**دوسری عورت کی تعریف اپنے شوہر سے بیان کرنے کی ممانعت:** حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی عورت اپنے شوہر کے سامنے کسی عورت کی شکل وصورت کا ایسا نقشہ نہ کھینچے اور ایسی تعریف نہ کرے کہ گویا وہ دیکھ رہا ہے۔ (بخاری۔ مسلم)

**ایسا سوال کرنے کی ممانعت کہ اللہ اگر تو چاہے تو دے دے:** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس طرح خدا سے ہرگز نہ مانگا کرو کہ اے اللہ اگر تو چاہے تو بخش دے، اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما۔ تم کو پختگی کے ساتھ دعا کرنا چاہئے۔ اللہ کو کوئی چیز بڑی معلوم نہیں ہوتی۔ (بخاری، مسلم)

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ پختگی اور رغبت کے ساتھ سوال کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ جو کچھ دیتا ہے اس پر پچھتاتا نہیں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم دعا کرو تو پختگی کے ساتھ دعا کرو، یہ نہ کہو کہ اے اللہ اگر تو چاہے تو دے دے۔ اللہ کو کوئی مجبور کرنے والا نہیں ہے۔ (بخاری، مسلم)

**ماشاء اللہ کہنا:** حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بات پر یہ نہ کہو کہ اللہ چاہے اور فلاں چاہے بلکہ یوں کہو کہ اللہ چاہے پھر فلاں چاہے۔ (یعنی خدا اور بندہ کے درمیان کچھ فرق اور فاصلہ ضرور ہونا چاہئے ایسا نہ معلوم ہو کہ جیسے دونوں برابر کے اور ایک دوسرے کے ہمسر ہیں)۔

**عشاء کے بعد بات چیت کرنے کی کراہت:** حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء سے پہلے سونا اور عشاء کی نماز کے بعد بات چیت کرنا ناپسند فرماتے تھے۔ (یعنی فضول بات چیت وقصہ گوئی ومجلس آرائی اس لئے کہ اس سے تہجد کے فوت ہونے اور دیر میں اٹھنے کا اندیشہ ہے۔ گھر والوں سے ضروری بات چیت اور مفید دینی گفتگو اس سے مراد نہیں)۔ (بخاری، مسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھی جو آپ کی آخری نماز تھی۔ پھر فرمایا تمہارا اس رات کے متعلق کیا خیال ہے میرا خیال ہے کہ اس رات کی تاریخ سے سو برس تک تم میں سے کوئی اس زمین پر باقی نہ رہے گا۔ (اس حدیث سے

ایک فائدہ تو یہ ہے کہ جب عمر اتنی ٹھہری تو دنیا کا لالچ کرنا بیکار ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس زمانے میں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا دعویٰ کیا ہے اس حدیث سے ان کا دعویٰ باطل ہوگیا)۔ (یعنی سو برس سے زیادہ کسی کی عمر نہ ہوگی) بخاری، مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ عشاء کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں رہے آدھی رات کے قریب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیاور نماز پڑھائی، پھر خطبہ دیا اور فرمایا کہ لوگ نماز پڑھ کر سو گئے اور تم نماز کے منتظر رہے سو جتنا وقت تمہارا انتظار میں گزرا سو وہ نماز ہی میں شمار ہوا۔ (یعنی گویا تم اب تک نماز ہی پڑھتے رہے) (بخاری)

**شوہر کی خلاف ورزی کرنے کی ممانعت:** حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب شوہر اپنی بیوی کو اپنے پاس بلائے اور وہ انکار کردے، پھر اس کا شوہر غصہ کی حالت میں رات گزارے تو صبح تک فرشتے اس عورت پر لعنت کرتے ہیں۔ (بخاری، مسلم)

**خاوند کی موجودگی میں اس کی بے اجازت نفلی روزے رکھنے کی ممانعت** : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کو شوہر کی موجودگی میں بے اجازت نفلی روزے رکھنا جائز نہیں اور نہ اس کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر کسی کو آنے کی اجازت دینا جائز ہے۔ (بخاری، مسلم)

**امام سے پہلے رکوع اور سجدے سے سر اُٹھانے کی ممانعت** : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ امام سے پہلے سر اٹھانے سے نہیں ڈرتے، کہیں اللہ تعالیٰ (پہلے سر اٹھانے والے کے) سر کو گدھے کے سر سے بدل نہ دے، یا اس کی صورت گدھے کی سی نہ کردے۔ (بخاری، مسلم)

**نماز میں پہلو پر ہاتھ رکھنے کی ممانعت** : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی حالت میں پہلو پر ہاتھ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری، مسلم)

**کھانے کے وقت اور پائخانہ پیشاب کی حاجت کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت** : حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب کھانا آجائے تو پھر نماز نہیں (یعنی پہلے کھانا کھالے پھر نماز پڑھے ورنہ کھانے میں جی لگا رہے گا اور ساری نماز اسی کے نذر ہوگی) اور پائخانہ اور پیشاب کا طبیعت پر تقاضا ہو تو نماز نہیں ہوتی۔ (مسلم)

**نماز میں نگاہ اوپر اٹھانے کی ممانعت** : حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت لہجہ میں فرمایا، لوگوں کی نماز کے وقت نگاہ اوپر اٹھ جاتی ہے اور وہ پرواہ نہیں کرتے وہ اس سے باز رہیں ورنہ ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی۔ (بخاری)

**نماز میں دائیں بائیں دیکھنے کی ممانعت** : حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کے بارے میں سوال کیا، آپ نے فرمایا اس طرح کی حرکت سے شیطان بندوں کی نماز اچک لیتا ہے۔ (بخاری، مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز میں ادھر ادھر متوجہ ہونے سے بچو۔ نماز میں ادھر ادھر متوجہ ہونا ہلاکت کا سبب ہے اگر ضروری ہو تو نفل میں ہو سکتے ہو فرض میں نہیں۔ (ترمذی)

**قبروں پر نماز پڑھنے کی ممانعت** : حضرت ابومرثد کناز بن حصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ نہ قبروں پر نماز پڑھو (اس لئے منع فرمایا کہ کہیں جاہل اہل قبول کی تعظیم و تکریم سے عبادت میں مشغول نہ ہو جائیں) نہ اس پر بیٹھو۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

# مسجدوں کی حفاظت اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں

اسلام میں مسجد کی بڑی اہمیت ہے، مسجد کے اصل معنی ہیں: سجدہ کرنے کی جگہ، غور کیجئے تو نماز کا اصل مقصد عجز و فروتنی کا اظہار ہے اور اس کا سب سے بڑا مظہر سجدہ ہے، جس میں انسان عظمت و احترام کی آخری علامت پیشانی اور ناک کو بھی خاک پر بچھا دیتا ہے، اسی لئے نماز پڑھنے کی مخصوص جگہ کو مسجد سے تعبیر کیا گیا ہے، اسلام میں مساجد کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے، اس وقت تو خود کعبۃ اللہ موجود تھا، جو اس کائنات میں تعمیر ہونے والی پہلی مسجد تھی، اس لئے مسجد کی ضرورت تو نہیں پڑی، گو اس پر مشرکین کا قبضہ تھا، لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی اور مدینہ پہنچنے سے پہلے قباء میں قیام پذیر ہوئے تو وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسجد کی بنیاد رکھی، جس کا خود قرآن مجید نے ذکر کیا ہے۔ (التوبہ:۱۰۸) پھر مدینہ پہنچنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اور اپنے رفقاء کی رہائش گاہ کے لئے فکر کرنے سے پہلے مسجد کی فکر فرمائی، اور جس مکان کو آپ کی قیام گاہ ہونے کا شرف حاصل تھا، اسی کے سامنے ایک زمین خرید کر مسجد نبوی کی بنیاد رکھی۔

ان مساجد کی خصوصی حیثیت ہے! کیونکہ کسی زمین کو مسجد کے لئے وقف کرنا، اس حصۂ زمین کو براہ راست اللہ کے حوالہ کردینا ہے، اب گویا وہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہے! چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

**وان المسٰجد للّٰہ فلا تدعوا مع اللّٰہ احداً۔** (الجن:۱۸) بے شک مسجدیں اللہ کے لئے ہیں: اس لئے (مسجدوں میں اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو۔

اس آیت میں اولاً تو تاکید اور قوت کے لئے ''ان'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جو عربی گرامر کے مطابق قوت و تاکید کے معنی کے لئے ہے، پھر مسجد کے بجائے ''مساجد'' یعنی واحد کے بجائے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، اور اس پر جو ''الف لام'' آیا ہے، وہ عربی گرامر کی رو سے ''استغراق'' کے معنی میں ہے، اس طرح اب اس کے معنی ''تمام مسجدوں'' کے ہوگئے، یعنی جو حکم بیان کیا جارہا ہے وہ کسی ایک مسجد کا نہیں ہے، بلکہ تمام ہی مسجدوں کا ہے، اسی لئے مشہور مفسر عکرمہ نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت تمام ہی مسجدوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

(مختصر تفسیر ابن کثیر:۳/۵۸۶)

پھر فرمایا گیا ''للہ'' عربی گرامر کی رو سے ''ل'' ملکیت اور اختصاص کو ظاہر کرنے کے لئے آتا ہے، یعنی مسجدیں اللہ ہی کی ملکیت ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں، آگے اللہ تعالیٰ نے یہ بات بھی واضح فرمادی کہ مسجد کے اللہ کی ملکیت ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اور وہ یہ کہ یہ جگہ ہمیشہ اللہ کی عبادت کے لئے مخصوص ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

**وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِھَا۔** (البقرۃ:۱۱۴) اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا؟ جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا نام لینے سے روک دے اور اس کو ویران کرنے کے درپے ہو۔

اس آیت میں بھی مساجد کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے اور جو جگہ اللہ کی

عبادت کے لئے بنائی گئی ہو، اس میں اللہ کی عبادت کے روک دینے کو بہت بڑا ظلم قرار دیا گیا ہے، یہ آیت گو مسجد حرام سے متعلق نازل ہوئی ہے، لیکن جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تمام مسجدوں کا یہی حکم ہے: "المراد سائر المساجد" (تفسیر قرطبی: ۲/۵۳، نیز دیکھئے: تفسیر طبری: ۱/۳۵۲)، اسی لئے مولانا ثناء اللہ پانی پتی نے فرمایا کہ اگرچہ یہ آیت ایک خاص واقعہ کے پس منظر میں نازل ہوئی ہے، لیکن یہ حکم عام ہے: "الحکم عام و ان کان المورد خاصاً" (تفسیر مظہری: ۱/۱۱۶) اور مسجد کو ویران کرنے سے مراد اس کو منہدم کرنا اور اس میں عبادت کو روک دینا ہے۔

(تفسیر ابی السعود: ۱/۱۴۹)

اس آیت کے آئینہ میں وہ لوگ اپنی تصویر دیکھ سکتے ہیں جو مسجد سے دستبردار ہو کر اس کی قیمت یا اس کے بدلہ دوسری زمین کو قبول کر لیتے ہیں کہ قرآن کی زبان میں یہ سب سے بڑا ظلم ہے۔

مسجد کی شرعی حیثیت کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے بھی روشنی ملتی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمین میں مسجدیں اللہ کے گھر ہیں اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ جو اللہ کے گھر کی زیارت کرے، اللہ تعالیٰ اس کا اکرام فرمائیں گے۔ (معجم طبرانی کبیر، حدیث: ۲۰۲۸)

اس حدیث میں مسجدوں کو اللہ تعالیٰ کا گھر قرار دیا گیا ہے، گھر قرار دینے کا مطلب ظاہر ہے کہ مسجدیں اللہ تعالیٰ کی

> وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا۔ (البقرۃ: ۱۱۴) اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا؟ جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا نام لینے سے روک دے اور اس کو ویران کرنے کے درپے ہو۔ اس آیت میں بھی مساجد کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے اور جو جگہ اللہ کی عبادت کے لئے بنائی گئی ہو، اس میں اللہ کی عبادت کے روک دینے کو بہت بڑا ظلم قرار دیا گیا ہے، یہ آیت گو مسجد حرام سے متعلق نازل ہوئی ہے، لیکن جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تمام مسجدوں کا یہی حکم ہے: "المراد سائر المساجد" (تفسیر قرطبی: ۲/۵۳، نیز دیکھئے: تفسیر طبری: ۱/۳۵۲)

ملکیت ہیں اور ظاہر ہے کہ جب انسان اس کا مالک باقی نہیں رہا، تو اس کو اس میں کسی تصرف اور اس کی حیثیت اور کیفیت کو بدلنے کا حق کس طرح ہو سکتا ہے؟

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **خیر البقاع بیوت الله فی الارض۔** (المعجم الاوسط، حدیث نمبر: ۷۱۴۰) زمین میں سب سے بہتر حصہ اللہ کے گھر (مسجدیں) ہیں۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ جس جگہ ایک دفعہ مسجد تعمیر کر دی جاتی ہے، یا جو حصہ زمین مسجد کے لئے وقف کر دیا جاتا ہے، اس کی اللہ تعالیٰ سے نسبت قائم ہو جاتی ہے اور اس کی ایک خاص حیثیت بن جاتی ہے، نیز مسجد ہونا در و دیوار سے متعلق نہیں ہے، بلکہ اس زمین سے متعلق ہے، جس کو مسجد کی حیثیت سے وقف کیا گیا ہو، اسی لئے فقہاء اس بات سے متفق ہیں کہ مسجدوں کی زمین کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے، نہ روپیہ کے بدلہ نہ دوسری زمین کے بدلہ، مشہور حنفی فقیہ علامہ ابن نجیم مصریؒ فرماتے ہیں:

مصلحتِ مسجد کے لئے بھی خاص مسجد کی زمین کو فروخت کرنا جائز نہیں، اگرچہ قاضی کے حکم سے ہو اور چاہے مسجد ویران ہو گئی ہو۔ (البحر الرائق: ۵/۲۲۳)

یہی رائے امام مالک رحمۃ اللہ کی ہے! چنانچہ معروف شافعی فقیہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب مسجد منہدم ہو جائے اور اس کو دوبارہ بنانا دشوار ہو، جب بھی اسے فروخت نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اس زمین میں نماز کی ادائیگی کے ذریعہ فی الحال بھی اس سے نفع اٹھانا ممکن ہے۔ (شرح مہذب: ۱۵/۳۶۱، کتاب الوقف)

یہی رائے فقہاء حنابلہ کی ہے! چنانچہ مشہور حنبلی فقیہ علامہ ابن قدامہ مقدسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مسجدیں بیچی نہیں جائیں گی، لیکن اس کا سامان دوسری مسجد کو منتقل کیا جاسکتا ہے۔

(الشرح الکبیر: ۱۶/ ۵۲۱، کتاب الوقف)

غرض کہ قرآن وحدیث میں واضح طور پر یہ بات فرمائی گئی ہے کہ مسجدیں براہ راست اللہ کی ملکیت میں چلی جاتی ہیں، نہ عام مسلمانوں کے لئے اس کی گنجائش ہے کہ وہ اس کی حیثیت تبدیل کردیں نہ عدالت وحکومت کو اس کا حق ہے، نہ مسجد کی کمیٹی کو اور نہ اس شخص کو جس نے مسجد کے لئے اس جگہ کو وقف کیا تھا، اسی پس منظر میں جب عدالت نے بابری مسجد کے عوض پانچ ایکڑ زمین دیئے جانے کا فیصلہ کیا اور پھر بعد میں اتر پردیش کی حکومت نے سنی وقف بورڈ کو ایودھیا سے ۲۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر زمین بھی الاٹ کردی تو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اور تمام مسلم تنظیموں نے متفقہ طور پر یہی موقف اختیار کیا کہ ہمیں مسجد کے عوض زمین لینی نہیں ہے، کیونکہ شرعاً ایسا کرنا جائز نہیں ہے، اور اب بھی مسلمانوں کو یہی موقف ہے کہ سنی وقف بورڈ اتر پردیش کا بابری مسجد کے عوض زمین قبول کرنا ایک غیر شرعی عمل ہے اور یہ مسلمانوں کے لئے قطعاً ناقابل قبول ہے۔

افسوس کہ ادھر ملک کے مختلف علاقوں سے ایسے واقعات سامنے آرہے ہیں کہ مسجد کی کمیٹیاں حکومت یا روڈ ڈپلوپمنٹ اتھارٹی یا ''لینڈ گرابرس'' کو مسجد دے کر متبادل مسجد کی زمین اور خطیر رقم حاصل کرلیں، شہر حیدرآباد کے اطراف میں اس طرح کے متعدد واقعات پیش آچکے ہیں، یہ انتہائی بے شرمی کی بات ہے اور یہ ان مسجد کمیٹیوں کی سنگین مجرمانہ حرکت ہے، مسلمانوں کو ایسے معاملات کی سخت مخالفت کرنی چاہئے اور پوری قوت کے ساتھ اس کے خلاف کھڑا ہونا چاہئے، اگر مسلمانوں نے اس میں تساہل سے کام لیا تو ہماری تمام مسجدیں خطرے میں پڑجائیں گی، دنیا کی رسوائی تو اپنی جگہ ہے، اور آخرت میں بھی جواب دہ ہوں گے، مسجد بیچ کر اگر متبادل مسجد بنائی جائے یا کوئی بنا کردے اور اسے قبول کرلیا جائے تو یہ ''مسجد ضرار'' کی طرح ہوگی، اور شاید اس میں نماز پڑھنا بھی جائز نہ ہو۔

ایسے واقعات بھی پیش آئے ہیں کہ ''ریئل اسٹیٹ'' کے مسلمان تاجر نے پلاننگ کی اور پلاننگ کے دوران مسجد کے لئے زمین چھوڑی گئی، نقشہ میں اس کو واضح کیا گیا، لوگوں کو ترغیب دینے کے لئے اس نقشہ کو استعمال کیا گیا اور جب پلاٹ فروخت ہونے لگے تو آخری مرحلہ میں مسجد کا پلاٹ بھی فروخت کردیا گیا، یقیناً یہ جھوٹ، دھوکہ اور پلاٹ خریدنے والوں کے ساتھ ظلم ہے۔ اور ایک اجتماعی چیز کو غصب کرنے کے مترادف ہے، اس سے بھی بڑا ستم یہ ہے کہ بعض اوقات مسجد کے لئے زمین محفوظ کردی جاتی ہے اور لوگوں کو اطمینان دلانے کے لئے اس پر نماز بھی پڑھ لی جاتی ہے، لیکن بعد کو اسے فروخت کردیا جاتا ہے، یہ تو قطعاً ناجائز اور گناہ ہے، کیونکہ کوئی جگہ عمارت بنانے سے مسجد نہیں بنتی ہے، بلکہ اگر کوئی جگہ مسجد کے لئے مخصوص کردی جائے اور وہاں نماز پڑھ لی جائے تو وہ شرعاً مسجد ہوجاتی ہے، اب نہ اس کو بیچنا جائز ہے اور نہ خریدنا، نہ کسی اور مقصد کے لئے اس کا استعمال کرنا اور نہ کسی دوسری زمین سے اس کا تبادلہ کرنا، اس لئے اگر اندیشہ ہو کہ شاید بعد میں جگہ تبدیل کرنی پڑے گی تو لوگوں سے کہنا چاہئے کہ یہاں مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ ہے، لیکن اس جگہ پر نماز نہیں پڑھوانی چاہئے، کیونکہ اگر مسجد کی نیت سے واقف کی اجازت سے نماز پڑھ لی جائے تو یہ مسجد شرعی بن جاتی ہے اور اب اس کی حیثیت کو تبدیل کرنے کی گنجائش نہیں ہے، حاصل یہ ہے کہ اگر ہم خود مسجد کی حفاظت کریں گے تو اللہ تعالیٰ حکومت سے بھی مسجد کو محفوظ رکھیں گے اور اگر مسلمان خود مسجد کی حرمت پامال کردیں تو حکومت اور فرقہ پرستوں سے تحفظ مساجد کی لڑائی دوسروں کو نصیحت اور اپنے آپ کو فضیحت کے مصداق ہوگی، اور ہماری کوششیں ناکام ہوکر رہ جائیں گی۔

پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن

# مقام صحابہ رضی اللہ عنہم

دین کا مدار نقل و روایت پر ہے اور روایت کے مستند ہونے کے لئے ثقہ شہادت ضروری ہے۔ پس پورے دین کے قطعی اور قابل اعتبار ہونے کا مدار صحابہ کرام کی عدالت، صداقت اور دیانت پر ہے، یعنی صحابہ کرام دین کی پوری عمارت کے معتبر و مستند ہونے کے لئے خشت اوّل کا درجہ رکھتے ہیں۔

صحابی اسے کہتے ہیں جسے ایمان کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی حیات ظاہری میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور ایمان ہی پر اُس کا خاتمہ ہوا۔

خواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دیدار اور رفاقت تھوڑے وقت کے لئے ہو، سو آج اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے، پس اگر وہ سچا ہے تو یہ بہت بڑی سعادت ہے اور اگر جھوٹا ہے تو اس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی سخت وعید ہے: ''جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو اس نے درحقیقت مجھ ہی کو دیکھا، کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کرسکتا اور جس نے قصداً مجھ پر جھوٹ بولا تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔'' (بخاری:۱۱۰)

تاہم خواب میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے کوئی صحابی نہیں بن سکتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ اختصاص اس لئے ہے کہ انہوں نے جاگتی آنکھوں سے رُخ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا، آپ کو جلوت و خلوت، سوتے جاگتے، رزم و بزم، کیفیت جلال و جمال، الغرض ہر حال اور ہر انداز میں دیکھا، انہوں نے آپ پر وحی اترنے کی کیفیات کو دیکھا، جبرئیل امین کو بشری لباس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرکے تعلیم صحابہ کے لئے سوالات کرتے اور جوابات کی تصدیق کرتے ہوئے دیکھا۔ یہ وہ مبارک نفوس تھے، جن کی روح و باطن کا تزکیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے براہ راست مربی تھے، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت کمالات نبوت کی آئینہ دار اور اوصاف رسالت کی مظہر اتم ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی کو پہچاننے کا معیار صحابہ کرام کی زندگی ہے، یہی وہ مقدس جماعت ہے جس نے براہ راست انوار نبوت سے استفادہ کیا، آفتاب نبوت کی شعاعیں کسی حائل کے بغیر صرف جماعت صحابہ پر پڑی ہیں۔

چنانچہ قرآن کریم میں من حیث الجماعت اگر کسی کی تقدیس بیان کی گئی ہے تو وہ صحابہ کرام ہیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ ''جس شخص نے دین کی راہ اختیار کرلی ہے تو اُن لوگوں کی راہ اختیار کرے جو اس دنیا سے گزر چکے ہیں، وہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں، جو اس اُمت کا بہترین طبقہ ہے، اُن کے دل پاکیزہ تھے، اُن کے علم میں گہرائی تھی، ان میں تصنع نہیں تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے شرف صحابیت اور دین کی اشاعت کے لئے ان کا انتخاب فرمایا تھا، پس اُن کی عظمت کو پہچانو، ان کے نقش قدم پر چلو اور اُن کی سیرتوں کو مضبوطی سے تھامے رکھو، اس لئے کہ ہدایت کے راستے پر یہی جماعت تھی۔'' (مشکوٰۃ:۱۹۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی کے بارے میں کوئی نازیبا بات نہ کرو، کیونکہ اُن کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک لمحہ گزارنا تمہاری پوری زندگی کے اعمال سے افضل ہے۔ (سنن ابن ماجہ:۱۶۲)

یہ صحابہ کرام کی خصوصیت ہے کہ قرآن مجید میں ان کے فضائل و محاسن تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، اس لئے کئی آیات کے مرادی معنی اور ان کے مصادیق کو جاننے کے لئے شانِ نزول اور پس منظر کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے اور ان کا تناظر صحابہ کرام کے احوال سے جڑا ہوتا ہے، قرآن کریم میں جابجا اُن کے مقامات عالیہ، حسنِ عاقبت اور دین میں ان کی استقامت کا بیان ہے:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام کے ادب واحترام، اُن کی پرہیزگاری وتقویٰ اور اُن کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم کی گواہی دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''بیشک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پست رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے چن لیا ہے، ان لوگوں کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔'' (الحجرات:۳)

(۲) صحابہ کی قربانیوں اور استقامت کی شہادت دیتے ہوئے فرمایا: ''اہل ایمان میں سے کچھ مردانِ باوفا ایسے ہیں کہ انہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا، اسے سچ کردکھایا، اُن میں سے بعض نے اپنی نذرِ وفا پوری کردی اور بعض اپنی باری کا انتظار کررہے ہیں۔'' (الاحزاب:۲۳)

(۳) صحابہ کے کفر اور فسق وفجور سے محفوظ ہونے اور ان کے دلوں میں ایمان کے راسخ ہونے کی بابت فرمایا: ''اور جان لو کہ تم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں۔ اگر وہ بہت سے کاموں میں تمہاری بات مان لیا کریں تو تم مشکل میں پڑجاؤ، لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایمان کو محبوب بنایا اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کردیا اور کفر وفسق اور نافرمانی سے متنفر کردیا، یہی لوگ ہدایت پر ہیں۔'' (الحجرات:۷-۸) اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو ایمان کا معیار قرار دیتے ہوئے فرمایا:

(۱) ''پھر اگر اہل کتاب تمہاری طرح ایمان لے آئیں، تو بے شک وہ ہدایت پا جائیں گے۔'' (البقرۃ:۱۳۷)

(۲) ''اور جب اُن سے کہا جاتا ہے: ایمان لاؤ جیسا کہ لوگ ایمان لائے۔'' (البقرۃ:۱۳)

ان آیات میں صحابہ کرام کو ایمان کا معیار قرار دیا گیا ہے۔ صحابہ کرام کو اپنی رضا اور مغفرت وانعامات کی نوید سناتے ہوئے صحابہ سے فرمایا: ''تم میں سے ایمان لانے میں سبقت کرنے والے اور اوّلیت کا شرف حاصل کرنے والے اور وہ جنہوں نے احسان کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سب سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے اور ان کے لئے ایسی جنتیں تیار کررکھی ہیں، جن کے نیچے دریا جاری ہیں، وہ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔'' (التوبہ:۱۰۰) بیعت رضوان کے موقع پر موجود صحابہ کرام کے متعلق فرمایا: یقیناً اللہ مومنوں سے اُس وقت راضی ہوگیا، جب وہ درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کررہے تھے۔'' (الفتح:۱۸)

اَصحاب رسول کی مدح میں فرمایا: ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، جو اُن کے اصحاب ہیں، وہ کفار پر نہایت سخت اور آپس میں انتہائی مہربان ہیں، تو انہیں رکوع کرتے ہوئے، سجدہ کرتے ہوئے دیکھے گا، وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں، اُن کی نشانی ان کے چہروں پر سجدوں کا نور ہے، اُن کی یہ صفت تورات میں ہے اور انجیل میں ان کا وصف یہ بیان ہوا ہے، جیسے ایک کھیتی، اُس نے ایک باریک کونپل نکالی، پھر اس نے طاقت پکڑی، پھر وہ موٹی ہوگئی، پھر وہ مضبوط ہوکر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی، کسانوں کو خوب بھلی لگی تاکہ کفار کے دل جلیں، اللہ نے ایمان والوں اور اُن میں سے نیک اعمال کرنے والوں سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔'' (الفتح:۲۹) یہاں کھیتی سے مراد صحابہ کرام کے قلوب، بیج سے مراد ایمان اور کاشت کار سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے، جنہوں نے اپنی دعوت حق کا ثمر بہت جلد صحابہ کرام کی وفا واخلاص، ورع وتقویٰ، صداقت و عدالت، دیانت و امانت اور

عزیمت واستقامت کی صورت میں دیکھا اور روحانی وقلبی مسرت سے سرشار ہوئے۔

انبیائے کرام علیہم السلام کی طرح صحابہ کرام میں باہم ایک دوسرے پر فضیلت ایک مسلمہ امر ہے راشدین کا درجہ اُن کی خلافت کی ترتیب کے مطابق ہے، اُن کے بعد ابتدائی مرحلے میں اسلام قبول کرنے والوں کا ہے، پھر اُن کا جو اُس وقت ایمان لائے جب مسلمانوں کی کل تعداد چالیس تھی، پھر اُن کا جنہوں نے راہِ خدا میں ہجرت کا شرف حاصل کیا۔ انصار میں سے وہ جو بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ میں شریک ہوئے، پھر اُن کا جو بدر اور اُحد میں شریک ہوئے، پھر جنہیں دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، پھر وہ جو صلح حدیبیہ میں شریک رہے، پھر وہ جو فتح مکہ میں شامل تھے، پھر وہ جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے، انہیں ''طلقاء'' کہا جاتا ہے۔ صحابہ کرام کی ایک دوسرے پر فضیلت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان کیا ہے: ''تم میں سے کوئی ان کے برابر نہیں ہوسکتا، جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا اور کافروں سے قتال کیا، اُن کا درجہ اُن سے بہت بڑا ہے، جنہوں نے فتح کے بعد مال خرچ کیا اور جہاد کیا (مگر یاد رکھو) اللہ نے اُن سب سے اچھے انجام کا وعدہ فرمایا ہے۔'' (الحدید:۱۰)

لہٰذا صحابہ کرام کے مابین بعض شعبوں میں یا بحیثیت مجموعی فضیلت کا بیان کرنا تو جائز ہے، مگر کسی کی فضیلت کو بیان کرنے میں یہ انداز اختیار کرنا کہ دوسرے صحابہ کی تنقیص کا پہلو نمایاں ہو، روا نہیں ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خبردار! میرے اصحاب کی اہانت کے بارے میں اللہ سے ڈرو، میرے بعد انہیں اپنی ملامت کا ہدف نہ بنانا، سو جس نے اُن سے محبت کی، میری وجہ سے کی اور جس نے اُن سے بغض رکھا تو میری وجہ سے رکھا اور جس نے انہیں اذیت پہنچائی تو اُس نے درحقیقت مجھے اذیت پہنچائی اور جس نے مجھے اذیت پہنچائی تو اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچائی اور جس نے اللہ کو اذیت دی تو وہ یقیناً اسے اپنے عذاب کی گرفت میں لے گا۔'' (ترمذی:۱۸۶۲)

اُمت میں صحابہ کرام کی عصمت کا کوئی بھی قائل نہیں ہے، وہ سب بشر تھے اور معصوم عن الخطا نہیں تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ نبوت کے فیضان اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں گناہوں سے محفوظ رہنے کی سعادت عطا فرمائی۔ ایسی متعدد مثالیں احادیث مبارکہ میں موجود ہیں، اگر بشری تقاضے کے تحت اُن میں سے چند افراد سے خطا کا صدور بھی ہوا، تو اللہ تعالیٰ کے کرم سے وہ جلد اس پر متنبہ ہوگئے، خشیت الٰہی کا اُن پر غلبہ ہوا، انہیں توبۂ مقبولہ کی سعادت نصیب ہوئی اور گناہوں سے پاک ہوکر دارِ آخرت میں گئے۔ ایک بدری صحابی سے خطا ہوگئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شدید ردِ عمل کا اظہار کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ بدر میں شریک تھے، جان لو کہ اللہ اہل بدر کے احوال پر مطلع تھا اور ان کی بابت فرما چکا ہے کہ تم جو چاہو کرو، میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔'' (بخاری:۳۰۰۷)

علامہ سید احمد سعید کاظمی لکھتے ہیں:

''فضیلت صحابۂ کرام سے متعلق صرف ایک بات عرض کردوں، تمام جہانوں کے غوث، اَبدال، اَقطاب، صلحا، لقباء اور تمام عابدین، عارفین، متقین، مومنین، صالحین اور اولیاء کاملین جمع ہوجائیں اور ان میں سے کسی نے سرکار کا جمال پاک اپنی ظاہری آنکھوں سے اپنی ظاہری حیات میں نہ دیکھا ہو، مگر سیکڑوں برس انہوں نے تقویٰ اختیار کیا ہو، سیکڑوں برس انہوں نے شب بیداری سے کام لیا ہو، راتوں کو جاگ کر انہوں نے اللہ کی عبادت کی ہو، دن میں روزے رکھے ہوں، حج کئے ہوں، زکوٰۃ دی ہو اور کوئی نیکی نہ چھوڑی ہو، مگر خدا کی قسم! اس کے باوجود یہ سب مل کر بھی ایک صحابی کے مقام کو نہیں پہنچ سکتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا نے اپنے لئے سجدے کرنے کا وہ ثواب نہیں رکھا جو ایمان اور محبت کے ساتھ مصطفیٰ کے دیکھنے کا ثواب رکھا ہے۔ (خطبات کاظمی: جلد:۴، ص:۱۳۸)

سورۃ الفتح کی آیت ۲۹ کا ترجمہ اور تشریح گزشتہ کالم میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں، قرآن نے اس بات کی شہادت دی ہے کہ جس طرح ختم المرسلین رحمۃ للعالمین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ مبارک تورات، انجیل اور سابق انبیائے کرام کے صحیفوں میں موجود ہے، آپ کے بارے میں بشارتیں دینا اور آپ کی تائید و نصرت کا اقرار کرنا اُن کی تعلیمات کا حصہ رہا ہے اور اس پر عالم ارواح میں انبیائے کرام علیہم السلام سے لئے گئے میثاق اور اقرارنامے کا ذکر آل عمران: ۸۱ میں تاکیدات کے ساتھ مذکور ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا ذکر بھی انجیل میں مذکور ہے: ''اور اس نے کہا: خدا کی بادشاہی ایسی ہے، جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے اور رات کو سوئے اور دن کو جاگے اور وہ بیج اس طرح اُگے اور بڑھے کہ لگے زمین آپ سے آپ پھل لاتی ہے، پتی پھر بالیں، پھر بالیوں میں تیار دانے، پھر اناج پک چکا تو وہ فی الفور درانتی لگاتا ہے، کیونکہ کاٹنے کا وقت آپہنچا، آگے چل کر کہا: رائی کے دانے کی مانند ہے، جب زمین میں بویا جاتا ہے تو زمین کے سب بیجوں سے چھوٹا ہوتا ہے، مگر جب بو دیا گیا تو اُگ کر سب ترکاریوں سے بڑا ہو جاتا ہے اور ایسی بڑی ڈالیاں نکالتا ہے کہ ہوا کے پرندے اس کے سائے میں بسیرا کرتے ہیں۔'' (انجیل متی، باب:۱۳، آیات:۳۱-۳۲، مرقس، باب:۴، آیات:۲۶-۳۲)

اسی طرح فتح مکہ کے منظور کو تورات نے ان الفاظ میں بیان کیا: ''خداوند سینا سے آیا اور سعیر سے ان پر طلوع ہوا، فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا، دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا، اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت اُن کے لئے تھی۔'' (استثناء، باب:۳۳، آیت:۲) یہ اتنا واضح بیان ہے کہ کسی تاویل وتوجیہ کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ الفتح:۲۹ میں اصحاب رسول اور اُن کے ذریعے تمام اہل ایمان کی ایک پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ سجدوں کے نورانی اثرات ان کے چہروں پر عیاں ہوں گے۔ بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ سجدوں کی وجہ سے کچھ لوگوں کے پیشانی پر جو سیاہ نشان پڑ جاتا ہے، اس سے وہ مراد ہے، ہماری نظر میں یہ تعبیر درست نہیں ہے، بلکہ اس کی بہترین تعبیر حدیث پاک میں بیان کی گئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبرستان میں آئے اور فرمایا: اے مومنوں کی بستی والو! تم پر سلام ہو، ان شاء اللہ ہم بھی (اپنی باری پر) تم سے آملیں گے، میری تمنا تھی کہ ہم نے اپنے بھائیوں کو دیکھا ہوتا، صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم تو میرے اصحاب ہو، ہمارے بھائی وہ ہیں جو ابھی آئے نہیں ہیں، صحابہ نے پھر عرض کی: یا رسول اللہ! آپ کی اُمت کے وہ افراد جو ابھی نہیں آئے، انہیں کیسے پہچانا جائے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذرا بتاؤ تو سہی اگر ایک آدمی کا پنج کلیان (پیشانی اور چاروں گھٹنوں پر سفید نشان والا) گوڑا ہو اور وہ کالے سیاہ گھوڑوں میں موجود ہو، تو کیا وہ سب سے ممتاز نظر نہیں آئے گا، صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! یقیناً ممتاز نظر آئے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ اس حال میں آئیں گے کہ ان کے وضو کے اعضاء (یعنی ہاتھ اور چہرہ) نورانی ہوں گے اور میں حوض کوثر پر اُن کے استقبال کے لئے پہلے سے موجود ہوں گا۔'' (صحیح مسلم: ۲۴۹) اس سے صرف قرونِ اولیٰ کے بعد آنے والے امتی مراد نہیں ہیں، بلکہ آپ کی ساری امت مراد ہے اور صحابہ کرام اس کا اوّلین مصداق ہیں، کیونکہ وضو پوری امت کا شعار ہے، اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے:

''ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں جانب رواں دواں ہوگا، وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمارا نور ہمارے لئے مکمل فرمادے اور ہمیں بخش دے، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔'' (التحریم:۸) نیز فرمایا: ''جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے، ہماری

طرف دیکھو، تاکہ ہم (بھی) تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کریں، اُن سے کہا جائے گا: تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ اور اپنے لئے کوئی روشنی تلاش کرو، پس ان کے درمیان ایک دیوار حائل کردی جائے گی جس میں دروازہ ہوگا، اس کے اندرونی حصے میں رحمت ہوگی اور اس کے باہر کی جانب عذاب ہوگا، وہ منافق اہل ایمان کو پکاریں گے: کیا ہم (دنیا میں) تمہارے ساتھ نہیں تھے، وہ کہیں گے: کیوں نہیں! (یقیناً تم ہمارے ساتھ تھے) لیکن تم نے اپنے آپ کو (نفاق کے) فتنے میں ڈال دیا اور تم مسلمانوں پر مصائب کا انتظار کرتے رہے اور (دین میں) شک کرتے رہے اور تمہاری جھوٹی آرزوؤں نے تمہیں فریب میں مبتلا رکھا حتیٰ کہ اللہ کا حکم آپہنچا اور بڑے دھوکے باز (شیطان) نے تمہیں فریب میں مبتلا رکھا۔" (الحدید:۱۳-۱۴)

مفسرین نے بیان کیا ہے کہ الفتح:۲۹ میں صحابہ کرام کی جو صفات بیان کی گئی ہیں، وہ عمومی طور پر تمام صحابہ کرام میں درجہ بدرجہ موجود ہیں اور ہر ایک صحابی اپنے اپنے مرتبے کے مطابق ان کا مظہر ہے۔ لیکن ان صفات میں جو ایک معنوی ترتیب ہے، وہ خلفائے راشدین کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے۔ پہلی صفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت و رفاقت کا مظہر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اعلانِ نبوت کے پہلے دن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری کے آخری دن تک آپ کے ساتھ رہے، بزم میں، رزم میں، سفر میں، حضر میں، جلوت میں، خلوت میں یہاں تک کہ غارِ ثور میں تین دن اور تین راتیں ایسی بھی آئیں کہ رُخِ مصطفیٰ کے جلوے تھے اور نگاہِ صدیق تھی، اس پر کیف نظارے میں چشمِ فلک بھی اُن کے ساتھ شریک نہ تھی، آج روضہ انور میں بھی آپ کے ساتھ ہیں، اسی طرح قبرانور سے ایک ساتھ اٹھیں گے اور جنت میں بھی ایک ساتھ داخل ہوں گے۔

کفار پر انتہائی شدت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شخصیت کا امتیاز تھا۔ طبیعت میں نرمی، حلم و بردباری حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شخصیت کا طرہ امتیاز تھا اور ہر لمحے عبادت الٰہی میں محو رہنا، علم و شجاعت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت کا امتیازی وصف تھا۔ صحابہ کرام کے اوصاف جلیلہ کو اس معنوی ترتیب سے بیان کرنے میں خلافت راشدہ کی ترتیب کی طرف بھی لطیف معنوی اشارہ موجود ہے اور بعد میں عملی صورت میں بھی اُمت نے خلافت راشدہ کی یہی ترتیب دیکھی۔ سورہ الفتح ہی میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن صحابہ کرام کو اپنی رضا کی قطعی سند عطا فرمائی ہے اور جس کے بارے میں اہل ایمان کے درمیان دو آراء نہیں ہوسکتیں، اس اعزاز میں بھی یہ چاروں خلفائے کرام شامل ہیں۔

عمومی فضائل کا مصداق درجہ بدرجہ تمام صحابہ کرام ہیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کرام کے خصوصی فضائل اور امتیازی اوصاف بھی بیان فرمائے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری امت پر سب سے زیادہ مہربان ابوبکر ہیں، اللہ کے دین کے بارے میں زیادہ شدت کرنے والے اور غیور عمر ہیں، سب سے زیادہ پیکر حیا عثمان ہیں، قضا کی سب سے زیادہ اہلیت علی ابن ابی طالب میں ہے، کتاب اللہ کے سب سے بڑے قاری اُبی بن کعب ہیں، حلال وحرام کے احکام کو سب سے زیادہ جاننے والے معاذ بن جبل ہیں اور علم میراث کو سب سے زیادہ جاننے والے زید بن ثابت ہیں، سنو! ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابوعبیدہ بن جراح ہیں۔" (رضی اللہ عنہم اجمعین) (ابن ماجہ:۱۵۴)

حدیث پاک میں ہے: حضرت عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میرے شانے پر رکھا اور فرمایا اے اللہ! انہیں دین میں فقاہت اور تاویل کا علم عطا فرمایا۔ (مسند احمد:۲۳۹۷) تاویل سے مراد یہ ہے کہ قرآن کا وہ کلمہ جو اپنے معنی پر قطعی الدلالت نہیں ہے اور ایک سے زائد معانی کا استعمال رکھتا ہے، اُسے صحیح اور راجح

معنی پر محمول کرنا، یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس کے تفسیری آثار سب سے زیادہ ہیں، حضرت ابوجحیفہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ کے پاس کتاب اللہ کے سوا بھی کوئی امانت وحی ہے، انہوں نے فرمایا: نہیں، اُس ذات کی قسم جس نے بیج کے دانے کو پھاڑا اور روح کو پیدا کیا، صرف اتنی بات ہے کہ اللہ نے مجھے فہم عطا فرمائی جو کسی شخص کو قرآن کے بارے میں اللہ کی طرف سے عطا کی جاتی ہے، (انہوں نے پوچھا) اس صحیفے میں (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا) کیا ہے: انہوں نے فرمایا: عقل (صحیح البخاری:۳۰۴۷) یعنی دیت کے احکام، قیدیوں کو چھڑانے کے احکام اور یہ کہ کسی مسلمان کو حربی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

اعمال کا معیار اخلاص ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تمہارے جسموں اور تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا، بلکہ وہ تمہارے دلوں اور تمہاری نیتوں کو دیکھتا ہے۔ (مسلم:۲۵۶۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے اخلاص نیت کی قدر و قیمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: "میرے اصحاب کو برا نہ کہو۔ اُس ذات کی قسم! جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے، اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ کے برابر سونا بھی (اللہ کی راہ میں) خرچ کرے، تو وہ اُن کے ایک مُد یا نصف مُد (یعنی چند کلو گرام) کے اجر کے برابر نہیں ہوسکتا۔

(ابوداؤد:۴۶۵۸)

یعنی بحیثیت مجموعی صحابہ کرام کی عدالت: دیانت اور صداقت پر احتجاج ضروری ہے، کیونکہ دینِ اسلام کا مدار نقل و روایت پر ہے اور اس کی پہلی کڑی صحابہ کرام ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ستارے آسمان کے لئے امان ہیں، پس جب ستارے مٹ جائیں گے تو جس بات کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے (یعنی قیامت)، وہ آسمان پر آجائے گی اور میں اپنے صحابہ کے لئے ڈھال ہوں اور جب میں چلا جاؤں گا تو میرے اصحاب پر وہ (فتنے) آجائیں گے، جن سے اُن کو ڈرایا گیا اور جب میرے صحابہ کا دور ختم ہوجائے گا، تو میری امت پر وہ حالات آجائیں گے، جس کی وعیدیں انہیں سنائی جاتی رہی ہیں (یعنی حوادث و فتن کا مرحلہ وار ظہور ہوگا) (مسلم:۲۵۳۱) اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علاماتِ قیامت کے طور پر یہ بھی فرمایا تھا: "اس امت کے بعد میں آنے والے اپنے پہلے آنے والوں پر لعن طعن کریں گے۔ (ترمذی:۲۲۱۰) پس صحابہ کرام کے بارے میں کف لسان حکمت دین کا تقاضا ہے۔ OO


## मजलिस तहक़ीक़ात व नशरियाते इस्लाम की हिन्दी पुस्तकें

| किताब का नाम | लेखक | मूल्य |
|---|---|---|
| मन्सबे पैगम्बरी | मौ0 सै0 अबुल हसन अली हसनी नदवी | 100.00 |
| नबियों के क़िस्से 1,2 | " | 120.00 |
| नबी–ए–रहमत | " | 250.00 |
| दस्तूरे हयात (जीवन का पथ–प्रदर्शक) | " | 70.00 |
| सभ्यता और संस्कृति पर इस्लाम की | " | 70.00 |
| भारतीय मुसलमान एक दृष्टि में | " | 80.00 |
| मदीने की डगर | " | 70.00 |
| मानवता का संदेश | " | 50.00 |
| मानवता का स्तर | " | 50.00 |
| अच्छे–अच्छे नाम अल्लाह के | " | 25.00 |
| इस्लाम एक परिचय | " | 40.00 |
| इस्लाम क्या है? | मौलाना मनजूर नोमानी | 60.00 |
| आदर्श शासक | मौलाना अब्दुस्सलाम क़िदवाई नदवी | 35.00 |
| तूफान से साहिल तक | मौ0 असद | 50.00 |
| मुहम्मद सल्लल्लाहु अलेहि वसल्लम | मौलाना सैय्यद मौ0 राबे हसनी नदवी | 250.00 |
| तोहफ–ए–रमजान | " | 40.00 |
| हमारे हुज़ूर | अमतुल्लाह तसनीम | 20.00 |
| इस्लाम और इस्लामी | मौलाना इलियास नदवी भटकली | 35.00 |
| सीरत सुलतान टीपू शहीद | " | 220.00 |
| | Total | 1635.00 |
| | Rate After Disc & Including Postal Charges | 1000.00 |

Ph.: 0522-2741539, A/c : 10863759700, SBI Main Br. Lucknow, IFSC : SBIN0000125

ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

# زندہ لاش کی طرح جینے کی روش آخر کب تک؟

کائنات میں بے شمار مخلوقات ہیں، ان کی الگ الگ خصوصیت ہیں، نباتات، جمادات اور حیوانات ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے بے مقصد نہیں پیدا کیا ہے، بلکہ ان کے متنوع فوائد کا تذکرہ قرآن کریم میں کیا گیا ہے، ان تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے تابع کردیا ہے: **ھو الذی سخر لکم ما فی الارض جمیعاً** (وہی اللہ ہے، جس نے تمہارے لئے روئے زمین کی تمام چیزوں کو مسخر کیا ہے)، جو لوگ نظام کائنات میں غور و خوض کرتے ہیں اور جنہیں اللہ رب العزت نے بصیرت سے نوازا ہے وہ اس حقیقت کا روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں، البتہ انہی اہل بصیرت کے درمیان کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو صرف کھانے، پینے، سونے اور جاگنے میں مشغول رہتے ہیں، ان کے اور دیگر حیوانات کے درمیان صرف اتنا فرق ہے کہ یہ اپنی زبان سے بولتے ہیں اور ستر کو چھپا لیتے ہیں، اس سے زیادہ ان میں کچھ بھی شعور نہیں ہے کہ انسانی صورت دے کر انہیں اس دنیا میں کیوں پیدا کیا گیا؟ پیدائش کا مقصد کیا ہے؟ اس سلسلہ میں وہ ذرہ برابر بھی نہیں سوچتے ہیں، بس اس دنیا میں ایک مخلوق کی حیثیت سے جینا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جتنی بھی زیبائش و آرائش کی چیزیں پیدا کی ہیں، انہیں اپنی ملکیت سمجھ کر ان سے فائدہ اٹھانا ہے، یہی ان کی زندگی کا اصل مقصد ہے۔

اس قسم میں اگرچہ بعض تعلیم یافتہ اور جدید علوم کے ماہر بھی ہوتے ہیں، جو کائنات کے بارے میں بہت کم سوچتے ہیں اور نہ وہ اس طرف توجہ دیتے ہیں کہ اس کائنات کے خالق کا ان پر کیا حق ہے؟ اس کی معرفت کیسے حاصل ہوتی ہے؟ اس کے لامحدود اور لامتناہی صفات کیا کیا ہیں؟ دنیا کی عقل عاجز ہے، ایسے افراد پر لطف اور حسین خوابوں کی دنیا میں سیر کرتے ہیں اور ہوائی محل تعمیر کرتے ہیں، عیش و آرام خوش حالی و فارغ البالی کی زندگی گزارتے ہیں، پھر اچانک موت کا فرشتہ آکر ان کی روح قبض کرلیتا ہے اور وہ کف افسوس ملتے ہوئے اور حیرت کا اظہار کرتے ہوئے دنیا کو الوداع کہتے ہیں۔

## اولوالالباب کون؟

افسوس صد افسوس! اس بے چارے اور مسکین کی اللہ کی میزان میں کوئی حیثیت نہیں ہے، اس کے برخلاف وہ لوگ جن کو وہ حقیر سمجھتے تھے اور لیکن وہ اللہ کی نشانیوں میں غور و خوض کرنے والے تھے، تو اللہ نے ان کو "اولوالالباب" کے خطاب سے نوازا ہے، قرآن مقدس میں ان کی تعریف کی ہے اور ان کی قدر و منزلت کو بیان کیا ہے، ارشاد باری ہے:

**(ان فی خلق السماوات والارض واختلاف اللیل والنھار لآیات لاولی الالباب الذین یذکرون اللہ قیاماً و قعوداً و علی جنوبھم و یتفکرون فی خلق السماوات والارض ربنا ما خلقت ھذا باطلاً سبحانک فقنا عذاب النار)**

ترجمہ: "بے شک آسمان و زمین کی پیدائش اور دن رات کی گردش میں عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں، جو لوگ کھڑے ہوکر، بیٹھ کر اور اپنے پہلوؤں کے بل اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور آسمان و زمین کی تخلیق میں غور کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو نے ان چیزوں کو یونہی نہیں پیدا کیا ہے، تیری ذات پاک ہے، تو ہمیں جہنم کی آگ سے بچالے۔"

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جب یہ آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تو آپ اٹھ کر نماز پڑھنے لگے، اتنے میں فرض نماز کا وقت آگیا، حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ آپ کو نماز کے وقت کی اطلاع دینے کے لئے آئے، انہوں نے دیکھا کہ حضور رو رہے

ہیں، تو انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ تو بخشے بخشائے ہیں، پھر آپ کیوں روتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اے بلال! کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ جب کہ آج رات مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے: (ان فی خلق السماوات والارض)..... پھر آپ نے ارشاد فرمایا: "تباہی ہے اس شخص کے لئے جو اس آیت کی تلاوت کرے، لیکن کائنات کے بارے میں غور نہ کرے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل علم کی تعریف کی ہے اور ان کی خوبیوں اور صفات کا تذکرہ بھی فرمایا ہے کہ وہ ہمیشہ کائنات کی نشانیوں میں تدبر و تفکر کرتے رہتے ہیں، اس کائنات کے خلاق کی معرفت کا راستہ تلاش کرتے رہتے ہیں اور پھر اس عظیم، ابدی اور سرمدی طاقت کے سامنے، جس نے آسمان و زمین کو پیدا فرمایا ہے اور جس نے انسان اور ہر جاندار کو شرف وجود بخشا ہے، سب اس کے سامنے سرنگوں ہو جاتے ہیں، اسی کی قدرت کے گن گاتے ہیں اور نظام الٰہی کے ہر ہر گوشہ آسمان و زمین کی پیدائش، لیل و نہار کی گردش کا گہرائی سے مطالعہ کرتے ہیں اور اللہ نے اس نظام کو چلانے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے اور نوع بنوع کی جو مخلوقات پیدا کی ہیں ان کا جائزہ لیتے ہیں اور خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور یقیناً یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر انسان دنیوی زندگی کی سعادت اور اخروی زندگی کی فلاح و کامرانی اور موت کے بعد روز محشر میں کامیابی کا تمغہ لے کر جنت میں داخل ہو سکتا ہے۔

## غافل انسان جانوروں سے بدتر کیوں؟

ان تمام آسمانی حقیقتوں، واضح ثبوتوں اور ٹھوس ایمانی عقیدوں کے باوجود شروع ہی سے انسانوں کا ایک گروہ اس حقیقت سے صرف نظر کرتا رہا ہے، وہ اس کی گہرائی میں نہیں جانا چاہتا ہے اور نہ ہی اس کی روشنی میں اپنی زندگی کو خوشگوار بنانا چاہتا ہے بلکہ وہ تو کائنات کے سلسلہ میں تدبر کے برخلاف یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس میں اپنی عقل اور فکر کو استعمال کرنے سے زندگی مکدر ہو جاتی ہے اور دنیا کا جو فطری نظام ہے اس میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے، قرآن کریم نے اس جماعت کی تصویر کشی اس انداز میں کی ہے۔

**(لهم قلوب لا يفقهون..... ..... هم الغافلون)**

ترجمہ: "ان کے اندر ایسے دل ہیں، جن سے وہ سمجھ کا کام نہیں لیتے ہیں ان کے پاس ایسی آنکھیں ہیں، جس سے وہ دیکھتے نہیں ہیں، ان کے پاس ایسے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں ہیں، یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں، یہی لوگ دراصل غافل ہیں۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں جانوروں سے تشبیہ ہی نہیں دی ہے، بلکہ جانوروں سے بھی بدتر قرار دیا ہے اور جانوروں سے بدترین درجہ غفلت کا ہے، گویا کہ **(اولئك هم الغفلون)** **(بل هم اضل)** کا جواب ہے کہ یہ جانوروں سے بھی بدتر کیوں ہیں؟ تو اس کا جواب دیا گیا کہ اس لئے کہ یہ لوگ غفلت کے شکار ہیں، اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "چونکہ وہ سیدھے راستہ پر نہیں چلتے ہیں، اس لئے وہ جانوروں سے مشابہ قرار دیئے گئے اور چوپایوں سے بھی بدتر اس لئے قرار دیئے گئے کہ چوپائے تو کم سے کم اپنے نفع و نقصان کی چیزوں میں فرق کر لیتے ہیں اور اپنے آقا کی پیروی کرتے ہیں، جب کہ اس طرح کے لوگ اس صفت سے عاری ہیں۔ اور مشہور تابعی عطاء رضی اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جانور اور چوپائے اللہ کی معرفت رکھتے ہیں، جب کہ کافر اس کی معرفت نہیں رکھتا ہے، اس لئے اس کا درجہ جانوروں سے بھی کم کر دیا گیا ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ جانور اللہ کے فرمانبردار ہوتے ہیں، جب کہ کافر نافرمان ہوتا ہے۔

## موجودہ انسانی معاشرہ میں انسان

انسانی معاشرہ پر عمومی نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت کریمہ میں جن لوگوں کی طرف اشارہ ہے ہمارے معاشرے میں ایسے ہی لوگوں کی اکثریت ہے، اقتدار کے مالک بھی یہی لوگ ہوتے ہیں اور عام طور پر یہی دوسروں کے معاملات بھی طے کرتے ہیں اور ان کی تقدیر کا فیصلہ کرتے ہیں، ہمارے سامنے اس وقت اس کی سب سے

واضح مثال بزعم خود سپر پاور کی ہے، جو حقیقی اور ضروری مسائل سے صرف نظر کرتے ہوئے غیر ضروری امور پر زیادہ توجہ دیتا ہے اور انسانوں کی قسمت کا فیصلہ کرتا ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے (انی جاعل فی الارض خلیفۃ) کے ذریعہ انسانوں کو خلافت ارضی کا منصب عطا کیا ہے اور عظیم مرتبہ پر فائز کیا ہے۔

## سب سے بڑا المیہ

اس دور کا بڑا المیہ یہ ہے کہ ہمارے کاموں میں جو اخلاص اور خدا کی مرضی ہونی چاہئے تھی اور جو مضبوط ایمان ہونا چاہئے تھا اس کا فقدان ہو چکا ہے، اس کی روح مردہ ہو چکی ہے، لوگ پُرشکوہ مادیت اور چمکتی دنیا پر فریفتہ ہیں اور انہیں عادت و عبادت کے درمیان ذرہ برابر بھی فرق محسوس نہیں ہوتا ہے، وہ دینی کام اور اپنے ''روٹین ورک'' (Work Routine) کے درمیان کچھ فرق سمجھتے ہی نہیں، مثال کے طور پر ایک شخص پابندی سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہے، لیکن وہ نماز میں یہ تصور نہیں کرتا ہے کہ اسے اللہ دیکھ رہا ہے اور وہ اس بندگی کے ذریعہ اپنی اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار کر رہا ہے، جس کے بدلہ اسے نعمتوں سے سرفراز کیا جائے گا، وہ محض ایک عادت کی بنا پر نماز پڑھ لیتا ہے اور یہ صورت حال صرف نماز کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ تمام عبادتوں، چاہے فرض و واجب ہوں یا نفل اور سنت وغیرہ کسی کی ادائیگی میں بھی اس کی اصل روح باقی نہیں رہتی ہے اور نہ اس کا یہ تصور ہوتا ہے کہ اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

کیا ہماری سوسائٹی، ہماری مجلسوں، محفلوں اور گھروں میں یہ سوال نہیں اٹھنا چاہئے کہ ان عبادتوں کی روح کہاں چلی گئی کہ انسانی وجود بے جان کی طرح رہ گیا ہے؟ یہ سوال اس لائق ہے کہ ہمارے معاشرہ میں اس کو اٹھایا جائے، ہم ایک بے جان، روح سے خالی اور زندہ لاش کی طرح جینے لگے ہیں، کیا ہم پر یہ آیت منطبق نہیں ہوتی ہے کہ **(ولقد ذرانا لجھنم کثیرا من الجن والانس)** (ہم نے جہنم کے لئے زیادہ جنوں اور انسانوں کو چھوڑ رکھا ہے) کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی وعید ہو سکتی ہے؟

## کامیابی کا راز

نعمت اسلام میں تو اللہ تعالیٰ نے انسان و جنات کی کامیابی و کامرانی کا راز رکھا ہے، پھر ہم اس عظیم انسانی نعمت کو کیسے بھول سکتے ہیں اور اس فطرت شرف کا انکار کیسے کر سکتے ہیں اور ایمانی سربلندی کو کیوں کر فراموش کر سکتے ہیں؟ اور یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ اتنی ساری نعمتوں کے ملنے کے باوجود ہم دعوت الی اللہ اور ذکر خداوندی کو بھلا کر ان لوگوں کی صف میں شامل ہو جائیں، جو اعلیٰ صلاحیت، دانشمندی اور عقل و فکر کی وسعت رکھتے ہیں، لیکن ان کا استعمال غیر ضروری چیزوں میں کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی فطرت کے برخلاف زندگی گزارتے ہیں؟ ہمیں تو اللہ نے دوسروں کو تربیت و تزکیہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے بھیجا ہے اور قیامت کے دن ہم سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

بلاشبہ معمولی غفلت بھی انسان کو جانوروں اور مویشیوں سے گرا ہوا بنا دیتی ہے، اس کے اندر برائی اور شر و فساد کا مادہ پیدا کر دیتی ہے اور اس کی فطرت میں حق کی دعوت اور امن و سلامتی کے جذبہ کے بجائے ظلم و بربریت، وحشیانہ فعل، قتل و غارت گری، خدا کی ناشکری اور ہر غیر انسانی حرکت کو انجام دینے کی صلاحیت پیدا کر دیتی ہے۔ اے کاش کہ مادہ پرست سیاست دان اور لیڈران ان ناقابل تغیر حقائق کے بارے میں تھوڑی دیر سوچ لیتے اور اس دنیا میں انسان کے حقیقی ہدف کو جان لیتے اور یہ کہ ان سب کو آخرت کی طرف لوٹ کر حساب دینا ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

**(یا ایھا الانسان ما غرك برك الکریم..... ما تفعلون)**

ترجمہ: ''اے انسان! تم کو اپنے معزز پروردگار کی طرف سے کس چیز نے دھوکے میں رکھا ہے؟ جس نے تم کو پیدا کیا اور تم کو اعضاء و جوارح دیئے اور اعتدال کے ساتھ تمہارا نظام بنایا اور کتنی اچھی صورت میں تم کو پیدا کیا، ہرگز ایسا نہیں ہونا چاہئے، تم قیامت کے دن کو جھٹلاتے ہو اور تمہارے اوپر نگراں ہیں، جو معزز ہیں اور سارے اعمال کو لکھ رہے ہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو اس کو جانتے ہیں۔''

○○○

مفتی محمد ظہیر صادق حسامی

# قرآن مجید کی بعض سورتیں اور اس کے فضائل

اللہ کی کتاب قرآن مجید سب سے بلند و بالا اور ہر شکوک وشبہات سے منزہ ومصفی کتاب ہے، یہ مقدس کتاب تمام عالم انسانیت کے لئے رشد و ہدایت، رحمت و برکت اور سعادت ومغفرت کا ذریعہ ہے، یہ وہ کتاب الٰہی ہے، جو ضلالت وگمراہی میں بھٹکتی انسانیت کی رہبری کرتی ہے، اس محترم کتاب میں مردہ دلوں کی مسیحائی بھی ہے اور مرجھائی ہوئی روح کی بالیدگی کا سامان بھی، نوید جنت کا خوبصورت تذکرہ بھی ہے اور وعید جہنم کا دردناک تذکرہ بھی۔ قرآن کریم اس جہان میں وہ نعمت بے بہا ہے کہ سارا جہاں آسمان و زمین اور ان میں پیدا ہونے والی مخلوقات اس کا بدل نہیں بن سکتی۔

اللہ رب العزت نے اپنے کلام کو جبرئیل امین کے ذریعہ امین صادق محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر نازل فرمایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس کی تلاوت پر بلندیٔ درجات کا وعدہ فرمایا اور اس کے حفظ پر جنت کی بشارت بھی سنائی۔

ویسے تو پورے قرآن کریم میں مکی اور مدنی سورتوں کے فرق کے ساتھ ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتیں ہیں، لیکن ہر ایک سورت کی خصوصیات وفضائل جداگانہ ہیں، جن میں بعض سورتیں ایسی ہیں کہ جن کی اہمیت وعظمت کے پیش نظر اس کی تلاوت روزمرہ بار بار ہوتی ہے اور اس کے فضائل بھی بے شمار ہیں، قرآن کریم کی سب سے پہلی سورت سورۂ فاتحہ ہے۔ ''سورۂ فاتحہ کو قرآن کریم میں بہت سی خصوصیات حاصل ہیں، اوّل یہ کہ قرآن اسی سے شروع ہوتا ہے، نماز اسی سے شروع ہوتی ہے، اور نزول کے اعتبار سے بھی سب سے پہلی صورت جو مکمل طور پر نازل ہوئی یہی صورت ہے، دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ صورت ایک حیثیت سے پورے قرآن کا متن اور سارا قرآن اس کی شرح ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ سورۂ فاتحہ کی نظیر نہ تورات میں نازل ہوئی نہ انجیل اور زبور میں اور نہ خود قرآن میں کوئی دوسری صورت اس کی مثل ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۂ فاتحہ ہر بیماری کی شفاء ہے، اور صحیح بخاری میں بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کریم کی سب سورتوں میں عظیم ترین الحمدللہ رب العالمین ہے۔ (معارف القرآن: ۱/۱۵)

سورۂ بقرہ قرآن کریم کی سب سے بڑی سورت ہے اور بہت سے احکام پر مشتمل ہے، اس سورت میں اس گائے کا واقعہ مذکور ہے جسے ذبح کرنے کا حکم بنی اسرائیل کو دیا گیا تھا، اس لئے اس سورت کا نام سورۂ بقرہ ہے کیونکہ بقرہ عربی میں گائے کو کہتے ہیں۔ (آسان ترجمہ قرآن: ص-۴۰)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورۂ بقرہ پڑھا کرو، کیونکہ اس کا پڑھنا برکت ہے، اور اس کا چھوڑنا حسرت اور بدنصیبی ہے، اور اہل باطل اس پر قابو نہیں پاسکتے، امام قرطبی رحمہ اللہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اس جگہ اہل باطل سے مراد جادوگر ہیں، مراد یہ ہے کہ اس سورت کے پڑھنے والے پر کسی کا جادو نہ چلے گا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے شیطان وہاں سے بھاگ جاتا ہے، اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سورۂ بقرہ سنام القرآن اور ذروۃ القرآن ہے، سنام اور ذروہ ہر چیز کے اعلیٰ وافضل حصہ کو کہا جاتا ہے، اس کی ہر آیت کے نزول کے وقت اسی فرشتے اس کے جلو میں نازل ہوئے، ایک روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کہ ہر چیز کی ایک بلندی ہے اور قرآن کی بلندی ''سورۂ بقرہ'' ہے، اس میں ایک آیت ہے جو قرآن کی (تمام) آیتوں کی سردار ہے اور وہ (آیت) آیت الکرسی ہے۔ (ترمذی: ح/۲۸۸۷)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سورۂ بقرہ کی دس آیتیں ایسی ہیں کہ اگر کوئی شخص ان کو رات میں پڑھ لے تو اس رات کو جن، شیطان گھر میں داخل نہ ہوگا، اور اس کو اور اس کے اہل و عیال کو اس رات میں کوئی آفت، بیماری، رنج وغم وغیرہ ناگوار چیز پیش نہ آئے گی، اور اگر یہ آیتیں کسی مجنون پر پڑھی جائیں تو اس کو افاقہ ہوجائے گا، وہ دس آیتیں یہ ہیں، چار آیتیں سب سے پہلے، ایک آیۃ الکرسی، دو آیتیں اس کے بعد کی، اور تین آیتیں آخر سورۂ بقرہ کی۔ (معارف القرآن: ۱/۵۰)

اسی طرح اس کے بعد کی سورت سورۂ آل عمران ہے۔ عمران حضرت مریم علیہا السلام کے والد کا نام ہے، اور آل عمران کا مطلب عمران کا خاندان، اور اس سورت کی آیات میں اس خاندان کا ذکر آیا ہے، اس لئے اس سورت کا نام سورۂ آل عمران ہے۔ (آسان ترجمہ قرآن۔ ص: ۱۳۸)

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں، کہ قرآن پاک کی تلاوت کیا کرو کیونکہ وہ قیامت کے دن اپنی تلاوت کرنے والوں کی شفاعت کرے گا اور دو روشن سورتیں یعنی ''سورۂ بقرہ'' اور ''سورۂ آل عمران'' پڑھا کرو۔ کیونکہ یہ دونوں قیامت کے دن اس طرح آئیں گے جس طرح دو بادل ہوں یا دو سائبان ہوں یا دو اڑتے ہوئے پرندوں کی قطاریں ہوں اور یہ دونوں سورتیں اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کریں گے۔ (مسلم، ح: ۲۵۲)

قرآن مجید کی ایک سورت سورۂ کہف ہے، جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں سورۂ کہف پڑھنے کی فضیلت صحیح احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے جمعہ کی رات سورۃ الکہف پڑھی اس کے اور بیت اللہ کے درمیان نور کی روشنی ہوجاتی ہے۔ (سنن دارمی، ح/۳۴۰۷) ایک دوسری حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کہ جس نے جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھی اس کے لئے دو جمعوں کے درمیان نور روشن ہوجاتا ہے۔ (مستدرک حاکم: ۲/۳۹۹) اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جس نے جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھی اس کے قدموں کے نیچے سے لے کر آسمان تک نور پیدا ہوتا ہے جو قیامت کے دن اس کے لئے روشن ہوگا اور دو جمعوں کے درمیان والے گناہ بھی معاف کردیئے جاتے ہیں۔ (الترغیب والترہیب: ۱/۲۹۸)

کچھ روایات میں یوم الجمعۃ اور کچھ روایات میں لیلۃ الجمعہ کے الفاظ آئے ہیں، یعنی یوم الجمعۃ سے مراد دن اور رات اور لیلۃ الجمعۃ سے مراد رات اور دن ہیں۔ (فیض القدیر: ۶/۱۹۹) اور امام مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ جمعہ کے دن سورۃ الکہف کی تلاوت کرنا مندوب ہے: امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے یہ منصوص ہے کہ جمعہ کی رات میں بھی سورۂ کہف پڑھی جاسکتی ہے۔ (فیض القدیر، ۶/۱۹۸) اسی طرح سورۂ یٰسین کی فضیلت سے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر شئی کا ایک دل ہوتا ہے، قرآن کا دل یٰسین ہے، جو شخص سورۂ یٰسین پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کی قرأت کی وجہ سے دس مرتبہ قرآن پڑھنے کے بقدر ثواب لکھے گا۔ (ترمذی: ۲/۱۱۶)

قرآن کی سورتوں میں سورۂ واقعہ بھی ہے، جس کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کہ جو شخص ہر رات سورۂ واقعہ پڑھے گا، اس کو کبھی فاقہ نہ ہوگا، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنی لڑکیوں کو حکم فرماتے تھے کہ وہ ہر رات اس سورت کو پڑھیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۱۸۹)

قرآن مجید کی سورتوں میں سے ایک سورت "سورۃ الملک" بھی ہے، جس کی فضیلت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (قرآن مجید کی ایک سورت ایسی ہے کہ جس میں تیس آیات ہیں، وہ آدمی کی اس وقت تک سفارش کرے گی یہاں تک کہ اس کی مغفرت ہوجائے اور وہ سورۃ تبارک الذی بیدہ الملک۔ (ترمذی، ح:۲۸۹۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک سورۃ سجدہ اور سورۃ الملک نہ پڑھ لیں۔ (ترمذی، ح:۲۸۹۲)

اللہ کی کتاب قرآن مجید پوری انسانیت کے لئے ہدایت وشفا ہے اور اس کے کسی بھی سورت اور آیت کی تلاوت باعث خیر وبرکت ہے اور اس کے ہر حرف پڑھنے پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔ لیکن مخصوص طور پر بھی بہت سی آیات اور سورتوں کی فضیلت احادیث میں وارد ہوئی ہیں تاکہ اس کے فضائل کی اہمیت کے پیش نظر ایک اللہ کا بندہ تلاوت قرآن کی جانب متوجہ ہو، چنانچہ سورۂ ناس اور سورۂ فلق کے فضائل و برکات کے سلسلے میں بھی احادیث آئی ہیں، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آج کی رات جو آیتیں مجھ پر نازل کی گئی ہیں وہ اس سے پہلے کبھی دیکھی نہیں گئی ہیں: اور وہ (قل اعوذ برب الفلق) اور (قل اعوذ برب الناس) ہیں۔ (مسلم، ح:۸۱۴)

حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میری ملاقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی تو آپ نے مجھ سے فرمایا: اے عقبہ بن عامر! جو تم سے قطعہ رحمی کرے تم اس سے صلہ رحمی کرو، جو تمہیں محروم رکھے اسے عطا کرو اور جو تجھ پر ظلم کرے اسے معاف کردو! کہتے ہیں: میں پھر ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے مجھ سے فرمایا: "اے عقبہ بن عامر! اپنی زبان پر قابو رکھو، اپنے گناہوں پر آنسو بہاؤ اور اپنے گھر کو لازم پکڑو یعنی بلاضرورت کہیں نہ نکلو! کہتے ہیں: پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ملاقات ہوئی تو آپ نے مجھ سے فرمایا: اے عقبہ بن عامر! کیا میں تمہیں ایسی سورتوں کی تعلیم نہ دوں؟ کہ ان جیسی سورتیں نہ تورات میں نازل ہوئیں، نہ زبور میں، نہ انجیل میں اور نہ قرآن کریم (کے بقیہ حصے) میں، ہر رات تم ان کی تلاوت ضرور کیا کرو۔ وہ یہ ہیں: (قل ھواللہ احد) اور قل اعوذ برب الفلق) اور (قل اعوذ برب الناس) عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں ہر رات ان کی تلاوت کرتا تھا اور اسے ترک نہ کرتا اپنے اوپر ضروری کرلیا تھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے انہیں پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ (مسند احمد بن حنبل، ح:۱۷۴۵۲)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان فرماتی ہیں: کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات جب بستر پر آرام فرمانے کے لئے آتے تو اپنی دونوں ہتھیلیوں کو ملا کر اس میں پھونکتے اور اس میں (قل ھواللہ احد) اور (قل اعوذ برب الفلق) اور (قل اعوذ برب الناس) پڑھتے تھے، اور پھر دونوں ہتھیلیوں کو جہاں تک ممکن ہوتا اپنے جسم پر پھیرتے تھے، اس طرح کہ پہلے سر اور چہرہ پر ہاتھ پھیرتے تھے اور پھر سامنے کے بدن پر، اور یہ عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین دفعہ کرتے تھے۔" (بخاری، ح:۵۰۱۷) ویسے تو قرآن کی ہر آیت اور ہر سورت کی تلاوت سے دل کی دنیا آباد کرنا ایک صاحب قلب کے لئے طہارت قلب اور اطمینان قلب کا باعث ہے اور ذخیرۂ آخرت بھی ہے، اور روزانہ پابندی سے قرآن کی تلاوت کرنا اللہ کے نیک اور مخلص بندوں کی پہچان ہے، قرآن کریم کی بعض سورتیں ایسی ہیں کہ جن کی تلاوت کا اہتمام روزانہ ہوتا ہے، جیسے کہ سورۂ یٰسین، سورۂ فاتحہ، سورۂ رحمٰن، سورۂ واقعہ، سورۂ ملک اور معوذات یعنی آخر قرآن کی تین سورتیں وغیرہ، لیکن بعض لوگ ایسے ہیں کہ جو کم از کم ان سورتوں کے پڑھنے کا بھی اہتمام نہیں کرتے۔

(باقی.....صفحہ.....25.....پر)

ڈاکٹر کمال اختر (علیگ)

# تعلیم نسواں کی عصری معنویت

مذہبی و معاشرتی نقطۂ نظر سے تعلیم عورتوں کے لیے بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنی مرد کے لیے۔ انسان معراج انسانیت کو تبھی پاسکتا ہے جب وہ کامل درجہ کا انسان بن جائے۔ تعلیم کے بغیر انسان تمام تر جدو جہد کے باوجود کامل درجہ کا انسان نہیں بن پاتا۔ ایک حدیث مبارکہ ہے "طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم"، یعنی علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ حضور پاکؐ کی اس حدیث کو وسیع تناظر میں دیکھا جائے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ سماج یا معاشرہ کے ہر فرد پر تحصیل علم فرض قرار دیا گیا ہے۔ ایک روایت میں مسلمۃ کا لفظ بھی موجود ہے۔

ان احادیث کے مفہوم پر غور کریں تو عورتوں کی تعلیم سے متعلق واضح احکامات موجود ہیں۔ درحقیقت اسلامی تحریک عورتوں کی شمولیت کے بغیر مکمل ہی نہیں ہوسکتی کیونکہ مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے معاون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ عہد نبویؐ میں عورتوں کی صورت حال کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ عورتیں درس و ارشاد کے منصب پر ہی فائز نہیں تھیں، خارجی امور سے لے کر میدان جنگ تک میں ان کی شمولیت ہوتی تھی۔ سیاسی و سماجی معاملات میں بھی ان کا دخل رہا، یہاں تک کہ ناگوار صورت حال کی بنا پر حضرت عائشہؓ کو جنگ جمل میں کمان بھی سنبھالنی پڑی۔ ایک واقعہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ اور حضرت ابوبکرؓ کے درمیان ایک باغ فدک کے متعلق تنازعہ ہوا تو حضرت فاطمہؓ نے اپنے حق میں مدلل رائے کا اظہار بھی کیا۔ سطور بالا کی روشنی میں وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ اسلام عورتوں کے ساتھ مساوات کا سلوک روا رکھنے، رائے قائم کرنے، مشورہ دینے یا جائز بات کے لیے قیادت تک کی اجازت دیتا ہے۔

علم ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس سے قومی تہذیب، شائستگی، عزت و عظمت، عیش و آرام، آرائش و زیبائش، امن و امان جیسی نعمتیں حاصل کرسکتے ہیں۔ عہد حاضر میں جو نظام تعلیم قائم کیا گیا ہے، عورتوں کے مسائل اور ان کے فطری تقاضے کو کافی حد تک گرفت میں لیتا ہے۔ بقول سرسید "کچھ شبہہ نہیں کہ قومی تہذیب اور شائستگی کے لیے عورتوں کا تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے۔ پس ہم کو لڑکیوں کی تعلیم کے لیے اور ان کو دست کاری سکھانے کے لیے کوئی عمدہ بندوبست کرنا چاہیے"۔ تعلیم نسواں کے عصری منظرنامہ پر غور کریں تو اندازہ ہوتا ہے کہ تعلیم نسواں کی ترقی کے لیے جو اقدام کیے گئے ہیں ان میں تعلیم و تربیت سے لے کر سلائی بنائی، کشیدہ کاری، پینٹنگ، باغ بانی، کچن گارڈنگ، تزئینی اور آرائشی اشیا کی معلومات اور دست کاری وغیرہ جیسے دیگر موضوعات شامل ہیں۔ ان تمام موضوعات سے واقفیت عصر حاضر کی خواتین کے لیے موزوں اور مناسب ہوگا۔

موجودہ Male Dominant معاشرہ میں عورتوں نے مردوں کے شانہ بہ شانہ چل کر نہ صرف ان کے نظریے کو تبدیل کیا ہے بلکہ اپنے کردار و عمل سے ان کو متاثر بھی کیا ہے۔ قانونی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو قانون ہمیں عورتوں کے ساتھ مساوات کا برتاؤ کرنے کا حکم دیتا ہے اور کسی بھی قسم کے امتیازی سلوک کو معیوب قرار دیتا ہے۔ اس کی بنیادی اور اصل وجہ یہ ہے کہ سماج میں مرد اور عورت کی حیثیت ایک دوسرے کے معاون کی ہوتی ہے۔ مرد اور عورت کے معاونت کے بغیر انسانی زندگی کا وجود بے معنی ہے۔

عورتوں کی بیداری سے متعلق مختلف تحریکات نے ایسی راہیں روشن کی ہیں کہ

آج زندگی کا کوئی بھی ایسا شعبہ نہیں جس میں عورتوں کی نمائندگی نہ ہو۔ سائنس، آرٹ، ادب، کلچر، جدید ٹکنالوجی کے میدان سے لے کر کھیل کے میدان میں خواتین نے اپنی اہمیت اور معنویت کا لوہا منوالیا ہے۔ ہر عہد ایک خاص مزاج و مذاق رکھتا ہے اور خواتین نے اپنے مزاج و مذاق کو موجودہ عہد میں ڈھالنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے اور کامیاب بھی نظر آتی ہیں۔ آج عورتیں اپنی قابلیت کا لوہا بھی منوا رہی ہیں اور روشن مستقبل کا خواب بھی دیکھ رہی ہیں۔ اب متاع کوچہ و بازار اور نگاہ خریدار کے نظریے میں تبدیلی آرہی ہے۔ اب وہ کافی حد تک خود مختار اور آزاد ہیں، انہیں کوئی ستی ہونے پر مجبور نہیں کرسکتا، پیدا ہوتے گلا گھونٹ دینے جیسے واقعے بھی اب رونما نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کے ارمانوں اور خواہشوں پر پابندی لگا سکتے ہیں۔ کیونکہ آج تعلیم نے معاشرہ کے مزاج کو تبدیل کردیا ہے۔ جنسی تفریق کی شدت میں کمی آئی ہے اور انہیں قانون کی طرف سے تحفظ بھی حاصل ہے۔ آزادی نسواں اور مساوات نسواں کا نعرہ اتنا بلند ہوا کہ کیفی اعظمی ''اٹھ میری جان میرے ساتھ ہی چلنا ہے تجھے'' اور مجاز ''مجھے حیران کردیتی ہیں نکتہ دانیاں اس کی'' کہنے پر مجبور ہوئے۔ ظاہر ہے اگر مرد اور عورت اپنی اپنی ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی نبھائیں تو ایک ایسا مہذب اور شائستہ معاشرہ وجود میں آسکتا ہے جو کامل درجہ کا انسان بنانے میں کامیاب ہوسکے۔

تصویر کائنات میں رنگ بھرنے کے لیے وجود زن ضروری تو ہے ہی لیکن اس کا تعلیم یافتہ ہونا اور بھی زیادہ ضروری ہے۔ پڑھا لکھا طبقہ یا متمدن معاشرہ اسی وقت وجود میں آسکتا ہے جب اس سماج کی عورتیں پڑھی لکھی ہوں گی۔ یہ کہنا درست ہوگا کہ جس سماج میں تعلیم یافتہ عورتیں ہوں گی وہ سماج علم و دانش، تہذیب و ثقافت اور اخلاقیات کا گہوارہ ہوگا۔ سماج کی تبدیلی کے ساتھ ملک اور حکومت کے رویہ میں بھی تبدیلی آتی ہے۔ حکومت ہند نے جو نعرہ دیا ہے کہ ''ایک خوش حال لڑکی ہمارے ملک کا مستقبل ہے''۔ صنف نازک کی صورت حال میں بہتری اور ان کے تحفظ کے لیے حکومت ہند نے کئی اہم اقدامات کیے ہیں۔ ''تعلیم سبھی کے لیے'' کے نام سے ایک مہم جاری ہے جس میں ۱۹ سے ۲۴ ملین بچے شامل ہیں جن میں لڑکیوں کی تعداد ساٹھ فی صد ہے۔ نیشنل پلان آف ایکشن فار دی گرل چائلڈ (۱۹۹۱-۲۰۰۰ء)، گرلس چائلڈ اینڈ دی فیملی ہر ایکشن ریسرچ پروجیکٹ وغیرہ لڑکیوں کے معیار زندگی کو بلند کرنے کے لیے تیار کیا گیا ہے۔

حکومت ہند نے بھی تعلیم نسواں کی اہمیت و معنویت کو نہ صرف تسلیم کیا بلکہ باقاعدہ اسکیم چلائی ہے جس کا نعرہ ہے بیٹی بچاؤ، بیٹی پڑھاؤ، حالانکہ آج سے تقریباً چودہ سو سال قبل اللہ کے نبیؐ اور محسن انسانیتؐ نے بیٹیوں کے تعلق سے فرمایا کہ بیٹی رحمت ہے، زحمت نہیں اور بیٹیوں کے ہی سلسلے میں کہا کہ جس نے بیٹیوں کی احسن طریقے سے تعلیم و تربیت کی وہ قابل مبارک باد اور جنت کا مستحق ہوا۔ اگر ملک کی بیٹیاں اور خواتین زیور تعلیم سے آراستہ ہوجائیں تو معاشرے و سماج میں خود بخود خواندگی کی شرح بڑھ جائے گی اور ہم مکمل طور پر بیدار بھی ہوجائیں گے۔ بیداری اور تربیتی پروگرام کے تحت وہ سب کچھ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

لڑکیوں کے لیے صحت ایک بڑا نازک مسئلہ ہوتا ہے ناخواندہ لڑکی صحت سے متعلق اس حد تک واقف نہیں ہوتی جتنا ایک خواندہ لڑکی جانتی ہے۔ مثلاً پروٹین کیا ہے اور کیوں ضروری ہے، آیوڈین کی کمی سے کیا ہوتا ہے، آئرن کی کمی کب ہوتی ہے اور اس کی تلافی کس طرح ممکن ہے، ایچ۔ آئی۔ وی کیا ہے یا ایڈس کیسے پھیلتا ہے اور اس سے کیوں کر بچا جاسکتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ ڈاکٹر شیخ عبداللہ کا یہ قول بجا معلوم ہوتا ہے ''اگر عورتیں تعلیم یافتہ نہیں ہوں گی تو وہ اپنے حقوق کا جو، انہیں مذہب اور ملک نے دیے ہیں اچھا استعمال نہیں کرسکیں گی''۔

البتہ اشتہاری اور صارفی سماج نے

صنف نازک کے ایک خاص طبقہ کے ذریعہ ان کی صورت کو مسخ کرنے اور اشتہاری اشیا کے طور پر استعمال کرنے کا جو کاروبار پھیلا رکھا ہے اس سے عورت ذات کے تقدس پر ایک سوالیہ نشان قائم ہوگیا ہے۔ اس سماج نے محض اپنے ذاتی مفاد کی خاطر عورت کی معصومیت کو سر عام رسوا کیا ہے۔ اشتہاریت کی کاری ضرب لگا کر عورت کو دو گروہ میں تقسیم کردیا ہے۔ ایک گروہ اشتہاری عورتوں (گلیمر ویمن) کا ہے جن کے نزدیک زندگی اور کائنات کا خالص مادی تصور ہے اور وہ مذہبی اور روحانی اقدار سے بالکل بے بہرہ ہے۔ مثلاً آج کے معاشرہ میں ایسی بھی آزاد اور اشتہاری (نمائشی) عورتیں پیدا ہوگئی ہیں جن کا آزادی کے نام پر بری طرح سے استحصال ہورہا ہے اور وہ آزادی کے نشے میں یہاں تک کہہ دیتی ہیں کہ "میرا جسم میری مرضی" ان عورتوں کے اندر اگر ذرا بھی خوف خدا ہوتا تو ہرگز یہ نعرہ (Slogan) زبان سے نہ نکلتا۔ علامہ اقبال نے غالباً ایسے ہی علم سے آراستہ خواتین کے حوالے سے یہ شعر کہا ہے:

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت

دوسرا گروہ ایسی باحیا عورتوں کا ہے جو معاشرے میں ایک اچھی ماں، بہن اور بیوی کے روپ میں نظر آتی ہے، جس کو اپنی تہذیب وثقافت عزیز ہوتی ہے، قول وفعل پر نظر، شرم وحیا کا خیال اور عزت وآبرو کا پاس ہوتا ہے۔ عہد حاضر میں تعلیم یافتہ لڑکیوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ کس قسم کی عورت بن کر جینا پسند کرے گی۔ کیونکہ آج وہ خود مختار ہے اور زندگی کے سارے اہم اور بڑے فیصلے اسے خود لینے ہیں۔ ژول نے بڑے پتے کی بات کہی تھی "عورت کو چاہیے کہ وہ عورت ہی بن کر رہے اسی میں اس کی کامیابی ہے"۔ عورت بن کر رہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اسے تحصیل علم سے روکا جائے بلکہ اپنی تعلیم و تربیت سے ماہ وانجم کا ہم قسمت ہونے اور اپنے آبا واجداد کے گھر کو سرمایۂ عزت کا درجہ دلانے کی کوشش کریں۔ جہاں تک عورت کو نظر انداز کرنے کا مسئلہ ہے یا اس کے نام کو زندہ رکھنے کا معاملہ ہے، یہ سلسلہ نہ تو کبھی ختم ہوا ہے اور نہ ہی مستقبل میں ختم ہونے کا امکان ہے۔ انسانوں کے مسیحا حضرت عیسیٰؑ کا نام آئے اور حضرت مریمؑ کو یاد نہ کیا جائے، محسن انسانیت کا ذکر ہو، بی بی آمنہ اور دائی حلیمہ کے بغیر مکمل ہوجائے، عازمین صفا مروہ کی سعی پر ہوں اور حضرت ہاجرہ کو بھول جائیں ناممکن ہے۔ مذکورہ امور کی روشنی میں بلاشبہ کہہ سکتے ہیں کہ ان مقدس عورتوں کو جو مقام قدرت نے عطا کیا ہے، یہ انہیں کا مقدر ہے۔ آج کی اشتہاری عورت ان کے پیروں کی گرد بھی نہیں پاسکتی۔ لہٰذا اکبر الہ آبادی کے اس شعر سے سو فی صد اتفاق کیا جاسکتا ہے کہ:

تعلیم عورتوں کی ضروری تو ہے مگر
خاتون خانہ ہو وہ سبھا کی پری نہ ہو

OO

## بقیہ.....قرآن مجید کی بعض.....

یا تو وہ تلاوتِ قرآن سے نابلد و ناآشنا ہوتے ہیں، یا پھر وہ پڑھنا جانتے ہیں لیکن اللہ کے کلام کی تلاوت کے لئے وقت نہیں نکال پاتے ہیں، یا پھر وقت تو مل جاتا ہے لیکن اس کی جانب رغبت نہیں ہوتی، ایک مسلمان کے لئے نہایت ضروری ہے کہ وہ کم از کم ان سورتوں کی تلاوت سے اپنی روح کو پاکیزہ بنانے کی کوشش کرے اور ایسی سورتوں کی تلاوت سے اپنے گھر کو آراستہ کرے اور صوتِ قرآن سے اپنے گھر کی چہار دیواری کو زینت بخشے جن سورتوں کے فضائل خود اپنے لئے بھی اور گھر کی خیر وبرکت کے لئے، اور مصائب آلام سے حفاظت کے لئے اور بیماری سے شفایابی کے لئے مسلم ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سورتوں کو پڑھنے کی خاص ہدایت اور ترغیب دی ہے، اور اپنی امت کو قرآن کی اہم سورتوں کے خاص فضائل سے آگاہ بھی کیا ہے، اللہ تعالیٰ قرآن کی روزانہ تلاوت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کے فضائل وبرکات کو بھی پانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

تبسم ناز

# بیٹی اللہ کی رحمت

اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام قرآن کریم ارشاد فرمایا: لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَاثاً وَيَهَبُ لِمَن يَشَاءُ الذُّكُورَ. أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَاناً وَإِنَاثاً وَيَجْعَلُ مَن يَشَاءُ عَقِيماً. (سورہ الشوریٰ، آیت:۴۹-۵۰)

ترجمہ: ''آسمانوں اور زمین کی سلطنت و بادشاہت صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹا اور بیٹیاں دونوں عطا کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے۔

بیٹی جسے اللہ نے رحمت بنا کر بھیجا، مگر وہ اس دنیا کے لئے زحمت کا نشان بنادی گئی۔ ایسا کیوں؟ اس بات کا جواب شاید کسی کے پاس ہو، مگر یہ حقیقت ہے کہ آج کی بیٹی کو وہ مقام حاصل نہیں جس مقام کی وہ حقدار ہے۔ بیٹیوں کو نہ جانے کیوں پسند نہیں کیا جاتا! باوجود اس کے کہ ہم پڑھے لکھے ہیں، پھر بھی بیٹی کی پیدائش پر منھ ایسے بن جاتے ہیں کہ جیسے کسی نے وفات کی خبر دے دی ہو۔ کچھ لوگ تو حد ہی کر دیتے ہیں کہ ڈاکٹر کو مارنے لگ جاتے ہیں۔

کچھ ایسا ہی ردعمل ساسوماں کا بھی ہوتا ہے، کہ خود بھی کسی کی بیٹی ہوتی ہے مگر پھر بھی پوتی کے پیدا ہوتے ہی ایسے رونا ڈالتی ہے جیسے بہت بڑا گناہ ہو گیا ہو۔ یہ جاہلیت ہے۔ اسلام سے پہلے یعنی زمانہ جاہلیت میں لوگ لڑکی کی پیدائش کے بجائے لڑکیوں کی وفات پر مبارکباد دیتے تھے۔ وہ لڑکیوں کو اس قدر نیچ سمجھتے تھے کہ کسی کے ہاں لڑکی پیدا ہوتی تو وہ مارے شرم کے منھ چھپائے پھرتا تھا کہ لوگ کیا کہیں گے۔ اس کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی ہے، ان میں سے کچھ لوگ اتنے ظالم تھے کہ بیٹی کا باپ کہلوانے کے خوف سے اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ قرآن پاک نے ایسے لوگوں کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے ''اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے، لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ اس بری خبر کے بعد کسی کو کیا منھ دکھائے گا۔ سوچتا ہے کہ ذلت کے ساتھ بیٹی کو لئے رکھے یا مٹی میں دبادے۔'' (سورہ النحل: ۵۸-۵۹) لیکن یہ تو زمانہ جاہلیت کے لوگوں کا حال تھا..... بیٹیاں تو رحمت ہوتی ہیں۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص تین بیٹیوں یا تین بہنوں کی کفالت کرتا ہے اُس پر جنت واجب ہے۔'' ضروری نہیں ہے کہ تین ہی ہوں، اس سے زیادہ یا کم بھی ہوں تو جنت واجب ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ بیٹیاں والدین کے لئے جنت میں جانے کا ذریعہ ہیں۔

بیٹیاں آخرت میں والدین کی بخشش کا سبب بھی ہوں گی، پھر بھی یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ بعض والدین اپنی ہی بیٹیوں کے ساتھ امتیازی سلوک کیوں کرتے ہیں؟ کیوں ان کی پیدائش پر سوگ مناتے ہیں؟ ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ''تمہاری اولاد میں سب سے بہتر گھر میں رہنے والی لڑکیاں ہیں۔'' مگر اس کے باوجود ہم میں سے اکثر لڑکیوں کو رحمت کے بجائے زحمت اور نحوست کی علامت سمجھتے ہیں۔ کیا ہم مسلمان ہیں؟ اگر مسلمان ہیں تو بچیوں کے معاملے میں ہمارا رویہ قرآن و حدیث کے منافی کیوں ہے؟

لوگ بیٹی کو رحمت کے بجائے زحمت سمجھتے ہیں۔ اسے بوجھ گردانتے ہیں۔ بیٹیوں کو ہر معاملے میں بیٹوں سے کم تر سمجھا

جاتا ہے۔ یہ کہہ کر کہ ''انہیں پڑھ لکھ کر کیا کرنا ہے، آخر کو گھر کے کام کاج ہی کرنے ہیں۔'' ان کے لئے تعلیم کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں۔ اچھی خوراک، اچھا لباس اور دیگر ضروریات زندگی میں لڑکیوں کے بجائے لڑکوں کو ترجیح دی جاتی ہے اور بیٹے کی رائے کو زیادہ اہمیت ملتی ہے۔

افسوس کی بات ہے کہ آج کا مسلمان زمانۂ جاہلیت کے لوگوں سے بھی آگے نکل گیا ہے، حالانکہ جس گھر میں بیٹی نہ ہو اُس گھر میں رحمت نہیں ہوتی۔ یعنی بیٹی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''جب کسی کے ہاں بیٹی پیدا ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس فرشتے بھیجتے ہیں جو کہتے ہیں: اے گھر والو! تم پر سلامتی ہو۔ پھر اس بچی کو اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہیں اور کہتے ہیں: ضعیف ہو، ضعیف سے پیدا ہوئی ہو۔ قیامت تک اس کے کفیل کی مدد کی جائے گی۔ ہمیں بیٹیوں کی پیدائش پر اپنے چہرے مرجھانے کے بجائے خوش ہونا چاہئے کہ اللہ نے رحمت سے نوازا ہے۔ یاد رکھیں کل قیامت کے روز بیٹی پر منہ بنانے اور ناانصافی کا جواب دینا ہوگا، اور یہی بچی آپ کا گریبان پکڑے گی اور اللہ سے اپنے ساتھ روا رکھے گئے رویّے کا حساب کروائے گی۔

# رضوان کے سالانہ خریداروں سے گزارش

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ ماہنامہ رضوان کی اشاعت خالص تبلیغی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ کوئی تجارتی کاروباری مفاد اس اشاعت میں پیش نظر نہیں ہے۔ چنانچہ ۴۰ صفحات کے اس رسالے کی قیمت انتہائی کم (فی شمارہ صرف تیس روپئے اور سالانہ خریداری -/300 روپے) ہے۔ ہمارے پیش نظر نفع بخش کاروبار نہیں بلکہ ہم اپنے وسائل میں رہتے ہوئے رضوان کے ذریعے بیش بہا مضامین شائع کرتے ہیں۔ اس ضمن میں رضوان کے سالانہ خریدار بھی اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔ اگر تمام سالانہ خریدار اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے بروقت اپنی سالانہ رقوم ''ادارہ رضوان'' کو بھیج دیں تو وہ بھی ہماری ان تبلیغی کوششوں میں معاون ہوں گے۔

سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ مدت خریداری ختم ہونے پر زرسالانہ کی ترسیل میں جلدی فرمائیں۔ ہر ماہ سرخ نشان کے ذریعہ ان کو اطلاع دی جاتی ہے۔ اور منی آڈر فارم بھی روانہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ یاددہانی ہوسکے۔

یاد رکھئے! زرسالانہ کی بروقت عدم وصولی سے ادارے پر مالی بوجھ بڑھتا ہے اور پچھلے کچھ عرصے سے اس میں اضافہ ہی ہوا ہے لہٰذا سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ رضوان کی مدت خریداری ختم ہوتے ہی زرسالانہ کی ادائیگی کریں تاکہ ادارے پر مالی بوجھ نہ پڑے بصورت دیگر اگر آئندہ ''رضوان'' خریدنا نہیں چاہتے، تب بھی خط لکھ کر یا بذریعہ فون اس بارے میں دفتر رضوان کو مطلع فرمادیں۔ نیز اپنا خریداری نمبر یا جس نام سے رسالہ جاری ہے وہ پتہ صاف اور خوشخط ضرور لکھیں۔ آپ کا تعاون اس دینی سعی وکاوش میں ہمارے لئے نہایت اہم اور ''رضوان'' کے معیار میں اضافے کے ساتھ آپ کیلئے کارخیر کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

قارئین رضوان سے گذارش ہے وہ اپنا سالانہ چندہ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں جمع کرسکتے ہیں۔

**Bombay Mercantile Co-operative Bank, Lucknow-18**

**Name of Account "RIZWAN MONTHLY", Account No. : 205110100005299**

**IFSC Code : UTIBOSBMCBI**

نوٹ: رقم ڈالنے کے بعد دفتر کو مطلع ضرور کریں ورنہ رقم آپ کے کھاتہ میں منتقل نہ ہوگی۔ اس نمبر پر مطلع کریں Cantt. No. : 9415911511

احمد نور عینی

# حضرت عمرؓ کا دور خلافت انسانی مساوات کا مثالی دور

ہم اور آپ جس ملک میں رہتے اور بستے ہیں وہ ماقبل تاریخ دور سے ہی انسانی عدم مساوات کا شکار ہے، یہاں انسانوں کو مختلف طبقات میں تقسیم کیا گیا اور ان میں اعلیٰ اور گھٹیا کی درجہ بندی کی گئی، انسانوں کو مساوات کا درس دینے اور طبقاتی نظام کو ختم کرنے کے لئے کئی شخصیتیں اٹھیں، جن میں گوتم بدھ کا نام سب سے نمایاں ہے، گوتم بدھ کے پیغام میں اتنی کشش تھی کہ بدھ ازم یہاں کی اکثریت کا مذہب ہوگیا اور وہ وقت بھی آیا جب اشوک نے بدھ ازم قبول کیا اور بھارت کا سرکاری مذہب بدھ مت قرار پایا۔ گوتم بدھ کے پیغام مساوات کو ایون حکومت سے نافذ کرنے والے راجاؤں میں اشوک کا کردار سب سے نمایاں اور تاریخی رہا ہے، اس اعتبار سے اشوک بھارت کا مقبول ترین راجہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کی زندگی پر بھارتی اور یورپی مصنفین نے کئی عدد کتابیں لکھی ہیں اور اس کی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔

مسلمان جو اس ملک کے باشندے ہیں اور عدم مساوات کے شکار طبقات کے پڑوسی ہیں انہوں نے اپنی تاریخ کو اس حیثیت سے پیش کرنے کی طرف کما حقہٗ توجہ نہیں دی کہ ان کی تاریخ میں مساوات کی کیسی اعلیٰ مثالیں اور کیسے نادر نمونے موجود ہیں، گوتم بدھ کے متبعین میں اگر اشوک نے سماج کو مساوات کی بنیاد پر استوار کیا تو آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں کئی ایسے حکمران ہیں جنھوں نے مساوات کی وہ مثالیں پیش کیں جن کا آج تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، ان حکمرانوں میں سب سے نمایاں نام حضر عمر رضی اللہ عنہ کا ہے، گویا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر فضیلت حاصل ہے اور وہ اسلام کے پہلے خلیفہ ہیں: لیکن ایک تو ان کا دور خلافت بہت مختصر رہا، دوسرے ان کی خلافت کا پورا دورانیہ داخلی اور خارجی فتنوں سے نمٹنے میں صرف ہوگیا اس لئے ان کے اور خلافت میں مساوات کی اتنی مثالیں تاریخ کے صفحات میں رقم نہیں ہو پائیں جو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں، یہاں ان میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے:

☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سفر بیت المقدس کا مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے غلام کے ساتھ بیت المقدس کے سفر پر روانہ ہوئے، سواری ایک تھی اور سوار دو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ طے کیا کہ کچھ دور میں سوار ہوں گا اور تم سواری کی نکیل پکڑ کر چلنا اور کچھ دور تک تم سوار رہنا اور میں سواری کی نکیل پکڑ کر چلوں گا، یہ دونوں سفر کرتے ہوئے شہر قدس پہنچے، جب بیت المقدس کے قریب پہنچے تو سوار ہونے کی باری غلام کی تھی اور نکیل پکڑنے کی باری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی، غلام نے چاہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سوار ہو جائیں اور وہ سواری کی نکیل پکڑ کر پیدل چلے، لیکن حضر عمر رضی اللہ عنہ تیار نہیں ہوئے۔ اس سے بڑھ کر انسانی مساوات کی کیا مثال ہوسکتی ہے کہ اس وقت کی سپر پاور سلطنت کا حکمراں اپنے اور اپنے غلام کے درمیان کسی طرح کے امتیازی سلوک کو روا نہیں سمجھتا ہے وہ غلام کو بھی سوار ہونے کا اتنا ہی حق دیتا ہے جتنا کہ خود کو دیتا ہے، وہ اس رویہ کو انسانی مساوات کے خلاف سمجھتا ہے کہ وہ تو سواری پر آرام سے بیٹھا رہے اور اس کا

غلام نکیل پکڑ کر پیدل چلتا رہے۔

☆ مصر کے فاتح اور گورنر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے کا واقعہ بھی بہت سبق آموز ہے واقعہ یوں ہے کہ ایک مصری قبطی نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے سے گھوڑ سواری میں مسابقہ کیا اور سبقت لے گیا، حضرت عمرو بن العاص کے لڑکے کو غصہ آیا اور اس نے اس قبطی کو کوڑے رسید کئے اور کہا کہ میں شریف زادہ ہوں (انا ابن الاکرمین)۔ وہ قبطی گو مدینے سے کافی دور تھا، لیکن اسے پتہ تھا کہ اسلام کے ذریعہ انسانی سماج میں ایک انقلاب آچکا ہے، اسلام کے زیر نگیں سماج میں اب نہ کوئی شریف زادہ ہے اور نہ کوئی ذلیل زادہ، اب سارے انسان برابر ہیں، اسے علم تھا کہ اسلام سماجی انصاف اور انسانی مساوات کی تعلیم دیتا ہے، اس لئے وہ انصاف کے لئے مصر سے مدینہ روانہ ہوا، مدینہ پہنچ کر اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پورا واقعہ سنایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ مدینہ حاضر ہوں، جب وہ اپنے بیٹے کے ساتھ مدینہ آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس قبطی کو بلایا، اور کہا کہ یہ کوڑا لو اور اسے مارو، چنانچہ وہ کوڑا لے کر مارنے لگا، وہ کوڑا مارتا جاتا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے کہتے جاتے کہ مارو شریف زادے کو، اسی موقع سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے یہ تاریخ ساز جملہ کہا تھا: ''تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنالیا؟ ان کی ماؤں نے تو انہیں آزاد جنا ہے۔'' (مناقب امیر المومنین عمر بن الخطاب لابن الجوزی:۹۷) آج دنیا مساوات اور آزادی کے نام پر جہاں تک پہنچی ہی وہ اس جملے کی تفسیر کے سوا کچھ نہیں۔ انصاف اور مساوات کا یہ کیسا اعلیٰ نمونہ ہے کہ مملکت کے فاتح وحاکم کے بیٹے کو اس مملکت کے ایک عام شہری پر کسی طرح کی کوئی فضیلت و برتری حاصل نہیں ہے، قانون کی نظر میں دونوں برابر درجہ کے انسان ہیں۔

☆ غسان کا عیسائی بادشاہ جبلہ بن ایہم غسانی مسلمان ہوکر مکہ آیا، کعبہ کا طواف کر رہا تھا کہ اس کی چادر کا ایک گوشہ کسی طواف کرنے والے شخص کے پاؤں کے نیچے آگیا، جبلہ نے غصہ میں اس کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا، اس نے بھی پلٹ کر طمانچہ مارا، جبلہ غصے میں آگ بگولہ ہوکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، اور آکر اس آدمی کی شکایت کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کہ تم کو تمہارے کئے کا بدلہ ملا ہے، اس کو بے حد تعجب ہوا، اس نے کہا کہ میں بادشاہ ہوں اور یہ ایک عام آدمی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسلام میں سب برابر ہیں، فضیلت کا معیار صرف اور صرف تقویٰ ہے، جبلہ پر وقار کا ایک بخار سوار تھا کہ وہ دوبارہ عیسائی بن گیا۔ (البدایہ والنہایہ: سنہ ۱۷ ہجری کے واقعات) اس واقعہ سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اسلام کے اصول مساوات کی کس درجہ اہمیت تھی، جبلہ نے عیسائیت دوبارہ قبول کرلی، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی خاطر اسلام کے اصول مساوات سے سمجھوتہ کرنا روا نہ سمجھا۔

☆ بصرہ کے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعری نے اپنے ایک فوجی کو کسی وجہ سے مال غنیمت کا پورا حصہ نہیں دیا، فوجی نے لینے سے انکار کر دیا، بات جب زیادہ بڑھی تو حضرت ابوموسیٰ اشعری نے اسے بیس کوڑے لگوائے اور اس کے بال منڈوا دیے، اس نے اپنے وہ بال جمع کئے اور انہیں لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت جریر کہتے ہیں کہ میں اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بالکل پاس ہی بیٹھا ہوا تھا، اس آدمی نے آنے کے ساتھ ہی اپنے کٹے ہوئے بال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سینے پر دے پھینکے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آخر ماجرا کیا ہے؟ اس نے پورا واقعہ سنایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ فلاں بن

فلاں نے مجھ سے یہ یہ شکایت کی ہے، میں تمہیں خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ اگر تم نے اس کے ساتھ مجمع عام میں ایسا کیا ہے تو تم بھی مجمع عام میں بیٹھو اور اسے بدلہ لینے دو، اور اگر تم نے اکیلے میں اس کے ساتھ ایسا کیا ہے تو اکیلے میں اس کے سامنے بیٹھو اور اسے بدلہ لینے دو۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ معاف کردو مگر اس نے کہا میں کسی کے کہنے پر اسے نہیں چھوڑوں گا، جب اس نے وہ خط انہیں حوالہ کیا تو وہ قصاص کے لئے ایک جگہ بیٹھ گئے، اس آدمی نے سر آسمان کی طرف اٹھایا اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے تمہیں خدا کے لئے معاف کیا۔

(سنن کبریٰ بیہقی، حدیث: ۱۶۰۲۷)

☆ شام کی اراضی کے مسئلہ پر جب صحابہ کے درمیان آپس میں کچھ اختلاف ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو جمع کیا، اور فرمایا کہ میں نے آپ لوگوں کو محض اس لئے زحمت دی ہے کہ میرے کاندھوں پر ذمہ داری اور امانت کا جو بوجھ ہے اسے اٹھانے میں آپ لوگ بھی میرا ساتھ دیں، میں تو نہیں چاہتا کہ میری جو رائے ہے تم اسی پر عمل کرو۔ (الخراج لابی یوسف: ۲۵)

اس خطاب میں حضرت عمر کا یہ جملہ: ''فانی واحد کاحدکم'' (میں تو آپ لوگوں کی ہی طرح ایک آدمی ہوں) بہت اہمیت کا حامل ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں تو تمہارا حاکم ہوں، تم میرے محکوم ہو، میری حیثیت تم سب سے اونچی ہے، میرے کہے پر چلنا ہوگا، بجائے اس کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے کو دیگر افراد کے مساوی قرار دیا اور کہا کہ میں تو تمہاری ہی طرح ایک فرد بشر ہوں۔

☆ حضرت احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن خطاب کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں ایک آدمی آیا اور آکر کہنے لگا کہ امیر المومنین میرے ساتھ چلئے اور میری مدد کیجئے۔ فلاں نے مجھ پر ظلم کیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوڑا اٹھا کر اس کے سر پر ایک لگایا اور کہا کہ جب میں تم لوگوں کے لئے اپنے کو فارغ کرتا ہوں تب نہیں آتے اور جب حکومت کے کاموں میں مشغول ہوتا ہوں تو آتے ہو کہ مدد کردیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو غصے میں دیکھ کر وہ آدمی لوٹ کر جانے لگا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس آدمی کو بلاؤ، وہ آدمی آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے سامنے کوڑا رکھ دیا اور کہا کہ بدلہ لے لو اور اس نے کہا کہ نہیں، میں اللہ کی وجہ سے اور آپ کی وجہ سے آپ کو چھوڑتا ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسا مت کہو، اس نے کہا کہ میں صرف اللہ کے لئے آپ کو چھوڑتا ہوں، یہ کہہ کر وہ آدمی چلا گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر میں داخل ہوئے، احنفؒ کہتے ہیں کہ میں بھی ساتھ تھا، حضرت عمر نے دو رکعت (نفل) نماز پڑھی اور پھر بیٹھ کر اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہنے لگے کہ اے خطاب کے بیٹے! تیری کوئی اوقات نہیں تھی، اللہ نے تجھے بلندیوں سے نوازا، تو گمراہ تھا، اللہ نے تجھے ہدایت سے سرفراز کیا، تو بے عزت تھا، اللہ نے تجھے عزت والا بنایا، پھر تجھے لوگوں کا ذمہ دار بنایا، اب تیرے پاس کوئی مدد کے لئے آتا ہے تو تو اسے مارتا ہے، کل خدا کے سامنے حاضر ہوگا تو اسے کیا جواب دے گا۔ احنفؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کافی دیر تک اپنے آپ کو کوستے رہے، یہاں تک میں سمجھ گیا کہ روئے زمین پر اس وقت حضرت عمر سے بہتر کوئی انسان نہیں ہے۔

(اسد الغابہ فی ذکر عمر بن الخطابؓ)

☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حج کے موقع پر مملکت کے گورنروں اور دیگر عہدیداروں کو جمع کیا، مجمع میں ہر علاقے کے لوگ بھی موجود تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجمع سے خطاب کر کے فرمایا کہ اے لوگو! میں نے اپنے ان عہدیداروں کو تمہارے پاس اس لئے نہیں بھیجا کہ یہ تمہاری چمڑی ادھیڑیں، تمہارا خون بہائیں اور تمہارے مال پر ناحق قبضہ جمائیں، لہٰذا تم میں سے جس کسی کو کسی عہدیدار سے کوئی شکایت ہو کھڑا ہو جائے، چنانچہ مجمع میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور اس

نے کہا کہ آپ کے فلاں عہدیدار نے مجھے سو کوڑے مارے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم بھی سو کوڑے مار کر بدلے لے لو، اتنا کہنا تھا کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اٹھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور آ کر کہنے لگے کہ آپ نے اگر عہدیداروں سے بدلہ لینے کی شروعات کردی تو ان کے لئے بڑے مسائل پیدا ہوں گے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں بدلہ نہ دلواؤں جب کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سے بدلہ دلواتے ہوئے دیکھا ہے، جاؤ اور اسے بدلے لینے دو، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تب مجھے (کچھ دے کر) اسے راضی کرنے کی اجازت دیجئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے جاؤ، ہر کوڑے کے بدلے دو دینار دے کر راضی کرلو۔

(الخراج لابی یوسف:۱۱۶)

☆ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر پر کچھ لوگ حاضر ہوئے، جن میں قریش کے سردار بھی تھے اور آزاد شدہ غلام بھی، سرداروں میں سہیل بن عمروؓ، ابوسفیان بن حربؓ اور حارث بن ہشامؓ تھے اور آزاد شدہ غلاموں میں حضرت صہیبؓ، حضرت بلالؓ اور حضرت عمارؓ وغیرہ تھے، حضرت عمرؓ نے پہلے ان آزاد شدہ غلاموں کو اندر آنے کی اجازت دی، ابوسفیان نے جب یہ دیکھا تو کہا کہ میں نے آج جیسا دن کبھی نہیں دیکھا، غلاموں کو اندر آنے کی اجازت مل رہی ہے اور ہمارا کوئی خیال ہی نہیں ہے۔ (اسد الغابہ: فی ترجمۃ سہیل بن عمرو) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس واقعے میں یہ پیغام ہے کہ غلاموں اور سرداروں کی تقسیم زمانۂ جاہلیت کی باتیں تھیں۔ اب کسی سردار کو کسی غلام پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، فضیلت کا معیار انسان کا کردار اور تقویٰ ہے۔

☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک عہدیدار کے پاس کچھ لوگ آتے، اس نے عربوں کو مال عطا کیا اور موالی (آزاد شدہ غلاموں) کو نظر انداز کردیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس کی خبر ملی تو انہوں نے اس عہدیدار کو خط لکھ کر سرزنش کی کہ تم نے سب کے درمیان مساوات سے کام کیوں نہیں لیا؟ سب کو مساوی درجہ میں کیوں نہیں رکھا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ آدمی کے برا ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو کم تر سمجھے۔

(مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ:۵۲۳)

☆ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے قبیلۂ تجیب کے ایک آدمی کو اے منافق کہہ کر پکارا اس آدمی نے کہا کہ میں نے اسلام قبول کرنے کے بعد سے کبھی نفاق کا عمل نہیں کیا ہے، لہٰذا میں جب تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ کر اس کی شکایت نہ کردوں تب تک نہ سر پر پانی ڈالوں گا اور نہ بالوں میں تیل لگاؤں گا، چنانچہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا، اور کہا کہ اے امیر المومنین! عمروؓ نے مجھے منافق کہا ہے، خدا کی قسم میں نے اسلام قبول کرنے کے بعد کبھی نفاق کا عمل نہیں کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمروؓ کو خط لکھا کہ فلاں تجیبی کا کہنا ہے کہ تم نے اسے منافق کہا ہے، میں نے اس سے کہا ہے کہ اگر وہ دو گواہ پیش کردے تو وہ تمہیں چالیس کوڑے لگائے، یا فرمایا ستر کوڑے۔ وہ تجیبی شخص حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس وہ خط لے کر حاضر ہوا اور اس نے گواہ بھی پیش کردئے، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اسے کوڑا دیا اور خود اس کے سامنے بیٹھ گئے، اس آدمی نے پوچھا کہ کیا آپ اپنے اقتدار کے باوجود مجھ سے بچ سکتے ہیں؟ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں، تجھے جو حکم ملا ہے کر گذر، اس آدمی نے کہا کہ میں اللہ کے لئے آپ کو معاف کرتا ہوں۔ (مناقب امیر المومنین عمر بن خطاب لابن الجوزی:۳۷۵) یہ ہے عدل اور مساوات کہ مصر جیسے ملک کا فاتح اور گورنر اپنے تمام تر اقتدار کے باوجود مملکت کے ایک عام باشندے کے سامنے اپنے آپ کو بے بس پاتا ہے، آج دنیا مساوات کے بلند بانگ نعروں کے باوجود یہاں تک

نہیں پہنچ پائی۔

☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حج کے موقع سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہمارے پاس تشریف لائے، ضیافت کے لئے صفوان بن امیہ نے کھانا تیار کرایا، چار آدمی مل کر کھانے کا بڑا تھال لائے اور لوگوں کے بیچ رکھ دیا، لوگوں نے کھانا شروع کیا، جب کہ خادمین کھڑے رہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب انہیں دیکھا تو میزبانوں سے پوچھا کہ تمہارے خادمین تمہارے ساتھ کیوں نہیں کھاتے؟ کیا تم انہیں نظرانداز کرتے ہو؟ سفیان بن عبداللہ نے کہا کہ ایسی بات نہیں ہے، ہم بس اپنے آپ کو ان پر ترجیح دیتے ہیں، (یعنی ہم پہلے کھالیتے ہیں اور وہ بعد میں کھاتے ہیں)، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس پر بہت غصہ ہوئے، اور فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہوگیا کہ وہ اپنے خادموں پر اپنے آپ کو ترجیح دیتے ہیں! پھر خادموں سے فرمایا کہ آؤ بیٹھو اور تم بھی ساتھ میں کھاؤ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ناراضگی کی وجہ سے کھانا نہیں کھایا۔

(مناقب عمرؓ لابن الجوزی: ۳۷۰)

☆ ایک مرتبہ ایک آدمی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آکر کہنے لگا کہ اے امیر المومنین! میں نے شراب پی تو حضرت ابوسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے مجھے مارا، میرے چہرے کو سیاہ کیا اور مجھے علاقے بھر میں گھمایا، اور لوگوں کو میرے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے منع کردیا، جس کی وجہ سے میں اتنا بددل ہوگیا کہ کبھی سوچتا ہوں کہ تلوار اٹھا کر ابوموسیٰ اشعری کا کام تمام کردوں، اور کبھی سوچتا ہوں کہ آپ کے پاس آؤں تاکہ آپ مجھے کسی ایسے علاقے میں بھیج دیں جہاں مجھے کوئی نہ پہچانتا ہو، اور کبھی سوچتا ہوں کہ مشرکین کے علاقے میں بھاگ کر چلا جاؤں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی باتیں سننے کے بعد حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ فلاں آدمی میرے پاس آیا ہے اور اس نے یہ شکایت کی ہے، لہٰذا تمہارے پاس جب میرا یہ خط پہنچے تو لوگوں کو حکم دو کہ وہ اس آدمی کے ساتھ اٹھیں بیٹھیں اور میل جول رکھیں، اگر یہ توبہ کرلے تو اس کی گواہی بھی قبول کرنا۔ (مناقب امیر المومنین عمر بن خطاب لابن الجوزی: ۴۴۹) اس واقعہ میں جہاں مساوات کا پیغام ہے وہیں یہ پیغام بھی ہے کہ کوئی آدمی فاسق و فاجر ہوجائے تو اس کی گواہی گرچہ قبول نہیں کی جائے گی مگر اس کے ساتھ میل جول رکھا جائے گا، کسی گناہ یا کسی غلط عمل کی وجہ سے سماج سے کسی کو کاٹ دینا اور لوگوں کو اس کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے منع کردینا روا نہیں ہے، اسلامی سماج میں اس طرح کے چھوت چھات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک مرتبہ ایسا قحط پڑا کہ مہنگائی سے لوگ پریشان ہوگئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی گھی کھانا چھوڑ دیا اور صرف تیل پر اکتفا کرنے لگے، جس کی وجہ سے پیٹ خراب ہوگیا اور پیٹ میں گڑگڑاہٹ ہونے لگی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ پیٹ کو مخاطب کرکے کہتے کہ جتنا چاہو گڑگڑالو، گھی جب تک لوگوں کو میسر نہ ہوجائے تمہیں بھی نہیں ملے گا۔

(سنن کبریٰ، بیہقی: ۹، ص: ۲۳۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے یہ واقعات ہمیں بتاتے ہیں کہ اس دور میں گرچہ مساوات، آزادی اور عوامی جمہوریت کے نعرے نہیں تھے، مگر اس دور میں سماجی انصاف اور انسانی مساوات کی جن بلند اقدار کا عملاً وجود تھا آج کی ترقی یافتہ دنیا بھی ان بلند اقدار کو زمینی حقیقت میں تبدیل نہ کرسکی، اور جس قوم کو یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر خدا کی بندگی کی طرف لائے اور انسانی مساوات کا نہ صرف پیغام سنائے بلکہ سماج میں اسے برت کر دکھائے آج وہ قوم شمع اغیار کا پروانہ اور دریوزہ گرِ آتش بیگانہ ہے:

آج ہیں خاموش وہ دشت جنوں پرور جہاں
رقص میں لیلیٰ رہی، لیلیٰ کے دیوانے رہے

○○○

مفتی حافظ سید صادق محی الدین فہیم

# یوم عاشورہ کی عظمت وفضیلت

نظام کائنات میں گردشِ لیل ونہار کا ایک تسلسل ہے، جو قدرت خداوندی کا عظیم کرشمہ ہے، اس نظام میں سال کے بارہ مہینے ہیں۔ارشاد باری ہے: إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْراً فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ۔ (سورہ توبہ:۳۶)

بے شک مہینوں کی گنتی اللہ سبحانہٗ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ ہے اسی دن سے جب سے اس نے آسمان اور زمین کی تخلیق فرمائی، ان میں چار حرمت والے مہینے ہیں یہی درست وسیدھا دین ہے، ان مہینوں میں اپنے آپ پر ظلم نہ کرو اور وہ ذوالقعدہ الحرام، ذوالحجہ الحرام، محرم الحرام اور رجب المرجب ہیں۔

اللہ سبحانہٗ کے اس ارشاد پاک کی روشنی میں محرم الحرام بھی حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے، زمانہ قدیم سے ان مہینوں کی حرمت ثابت ہے، دورِ جاہلیت جو صدہا خرافات و بیجا رسوم و رواجات کا زمانہ رہا ہے اس میں بھی ان مہینوں کی حرمت کا بڑا لحاظ رکھا گیا ہے، جنگ و جدال، اخلاق و کردار اور انسانی اقدار کے زوال کے شکار اس دور میں بھی ان کی حرمت مسلم رہی ہے، قتل و غارت گری اہل جاہلیت کا مشغلہ تھا، دشمن کے خون کے جو ہر وقت پیاسے رہا کرتے تھے، انتقام کی آگ میں جلتے اور اس قدر بھڑکتے کہ دشمن سے بدلہ لئے بغیر نہ ان کے بدلہ کی آگ ٹھنڈی ہوتی نہ ان کو چین وسکون ملتا نہ قرار آتا، ایسی مذموم صفات رکھنے والے بھی ان حرمت والے مہینوں میں قتل وقتال اور خونریزی سے باز آجاتے، ہر طرح کے ظلم و زیادتی اور ایذاء رسانی، عداوت و انتقام کو اپنے اوپر حرام کرلیتے، یہاں تک کہ اپنے باپ کے قاتل سے آمنا سامنا ہوتا تب بھی کسی قسم کا انتقال لینے سے گریز کرتے اور ہر طرح اعراض وچشم پوشی سے کام لیتے اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہر دور میں ان حرمت والے مہینوں کی عظمت واحترام کی کتنی بڑی اہمیت رہی ہے۔

حرمت والے مہینوں میں محرم الحرام کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اسلامی تاریخ کے اعتبار سے نئے سال کا آغاز اسی سے ہوتا ہے، اس مبارک مہینہ کی دسویں تاریخ کو ''یوم عاشورہ'' کہا جاتا ہے۔ یوم عاشورہ کی اہمیت روز اوّل ہی سے مسلم ہے۔ کئی ایک یادگار تاریخی اہم واقعات اس دن کے صدف گرانمایہ میں لاقیمت موتیوں کی طرح محفوظ ہیں۔ یہی وہ مبارک دن ہے جس میں ہم سب کے جدامجد حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی، اسی دن وہ جنت میں داخل کئے گئے اور اسی دن حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی، یہی وہ دن ہے جس میں آسمان وزمین کو خلعت وجود بخشا گیا، اور قلم کی تخلیق ہوئی، یہی وہ دن ہے جس دن اللہ سبحانہٗ نے سفینہ حضرت نوح علیہ السلام کو کوہ جودی کی آغوش میں بحفاظت تمام پناہ دی، حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ولادت مبارکہ بھی اسی مبارک دن میں ہوئی، اور نمرود نے ظلم و جور، عداوت و انتقام کی آگ کو بجھانے کی غرض سے ایسی آگ دہکائی کہ جس سے ایک محدود علاقہ تک ہی نہیں بلکہ میلوں مسافت تک تباہی و بربادی رونما ہوسکتی تھی، لیکن کرشمہ قدرت کہ اللہ سبحانہٗ نے اس آتش کو آپ علیہ السلام کے حق میں آج ہی کے دن گل و گلزار بنادیا اور آپ علیہ السلام کی حفاظت کا ایسا معجزانہ انتظام فرمایا کہ دشمن انگشت

بدنداں رہ گئے، اسی دن اللہ سبحانہٗ نے آپ علیہ السلام کو نعمت خلت سے سرفراز فرمایا، حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کو قوم بنی اسرائیل کو فرعون کے مظالم سے آج ہی کے دن نجات حاصل ہوئی، فرعون اور اس کے لشکر کو حق سبحانہٗ نے اسی دن بحر قلزم میں غرقاب کر کے قیامت تک آنے والی انسانیت کو ظلم کے انجام بد سے آگہی بخشی، یہی وہ مبارک دن ہے جس میں حضرت ادریس علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھالیا گیا جس سے آپ علیہ السلام کو اللہ سبحانہٗ نے مزید رفعت وعظمت عطا فرمائی یہی وہ دن تو ہے جس میں حضرت ایوب علیہ السلام کو آزمائش و ابتلاء سے نکال کر شفاء کلی بخشی گئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ بھی اللہ سبحانہٗ نے اسی دن قبول فرمائی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اسی دن حکومت وسلطنت عطا کی گئی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو بینائی بھی اسی مبارک دن واپس لوٹائی گئی، آپ علیہ السلام کے فرزند جلیل حضرت یوسف علیہ السلام کو کنعان کے کنویں سے اسی دن زندہ سلامت نکالا گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام بھی مچھلی کے پیٹ سے بحفاظت تمام اسی دن نکالے گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت مبارکہ بھی اسی مبارک دن ہوئی اور اسی مبارک دن آسمانوں کی طرف اٹھا لئے گئے۔ روایات کی رو سے قیامت کا وقوع بھی اسی دن ہوگا۔ (نزہۃ المجالس للامام عبدالرحمٰن بن عبدالسلام الصفوری الشافعی، م ۱۹۰۰ھ، ۱/۵۹۷، غنیۃ الطالبین-۲/۵۵)

البتہ ان واقعات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نجات دینے اور حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کا جودی سے پار لگنے کا ذکر اس حدیث پاک میں ملتا ہے۔ **عن ابی ھریرۃ، قال: مر النبی صلی اللہ علیہ وسلم باناس من الیھود قد صاموا یوم عاشوراء، فقال: ما ھذا من الصوم؟ قالو: ھذا الیوم الذی نجی اللہ موسی و بنی اسرائیل من الغرق و غرق فیہ فرعون، و ھذا یوم استوت فیہ السفینۃ علی الجودی، فصام نوح و موسیٰ شکر اللہ، فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: انا احق بموسیٰ، و احق بصوم ھذا الیوم، فأمر اصحابہ بالصوم۔** (مسند احمد-۱۴/۳۳۵، رقم: ۸۷۱۷)

جگر گوشۂ بتول، حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب نواسہ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کا سارا گھرانہ جام شہادت نوش کیا، ۶۱ ہجری یوم عاشورہ کے دن ہی یہ عظیم سانحۂ شہادت رونما ہوا یہ معرکہ آرائی دراصل حق و باطل کے درمیان تھی، حق باطل کے آگے کبھی سرنگوں نہیں ہوسکتا، آغوش نبوت میں تربیت پانے والی اس عظیم ہستی کو یہ کیونکر گوارا ہوتا کہ باطل کے آگے سپر ڈال دے، اسلام کے پرچم حق کو بلند رکھنے کے عظیم مقصد کے حصول کے لئے راہ حق میں سب کچھ قربان کردیا، باطل نے ظلم وستم ڈھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی مادی اسباب منقطع کردیئے گئے، پھر بھی اللہ سبحانہٗ کے یہ محبوب ومقرب بندے محض اپنے رب کی رضا وخوشنودی کی خاطر باطل سے نبرد آزما ہوگئے بالآخر کربلا کی زمین اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کے پاکیزہ خون سے سرخ ہوگئی، اس عظیم سانحۂ شہادت نے امت مسلمہ کو یہ پیغام دیا کہ باطل قوتیں اور طاغوتی طاقتیں ہمیشہ اہل حق پر ظلم وستم ڈھاتی رہیں اور حق کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھانے کی کوششوں میں لگی رہیں اور آئندہ کسی وقت بھی پیغام حق کا چراغ گل کرنے اور اہل حق پر ظلم وستم ڈھا کر راہ حق سے ان کو پھیر دینے کی منصوبہ بند سازشیں رچ سکتی ہیں، پیغام حق کے علمبرداروں کے لئے یہی وہ امتحان کی گھڑیاں ہوتی ہیں، جس میں کامیابی کے لئے حسینی کردار کو اپنانے اور حق کی روشنی میں زندگی کا سفر طے کرنے کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ جذبۂ شوق شہادت انہیں کے حصہ میں آسکتا ہے جو ایمان ویقین، ایثار وقربانی اور اللہ سبحانہٗ سے دل کی گہرائیوں سے لو لگائے فتح ونصرت کی دعاؤں کو ورد زبان رکھتے

ہوئے ''نصر من اللہ و فتح قریب'' کے وعدہ پر یقین رکھتے ہیں۔

المختصر یوم عاشورہ کی کرامت، فضیلت وعظمت مسلم ہے، اسی لئے اس دن کا روزہ رکھنا افضل ومسنون ہے۔ حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے قبل دور جاہلیت میں قریش اس دن روزہ رکھا کرتے تھے خود حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہجرت سے قبل مکۃ المکرمہ میں اس دن کے روزہ کا اہتمام فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینۃ المنورہ رونق افروز ہوئے تب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم عاشورہ کے روزہ کی پابندی فرمائی اور اہل مدینہ کو بھی روزہ رکھنے کی تلقین فرماتے رہے۔ (سنن ابی داؤد:۲/۳۲۶) اس روزہ کی حیثیت گویا فرض روزہ کی تھی، لیکن جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہوگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار دے دیا کہ اس دن جو چاہے روزہ رکھے اور جو نہ چاہے نہ رکھے۔ (بخاری شریف:۲/۱۴۸) چنانچہ شارحین نے لکھا ہے کہ عاشورہ کا روزہ پہلے فرض تھا لیکن جب رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت کا حکم نازل ہوگیا تو عاشورہ کے روزہ کی فرضیت باقی نہیں رہی، البتہ اس کی افضلیت اب بھی باقی ہے۔ (بذل المجہود فی حل سنن ابی داؤد:۸/۶۶۱)

مدینۃ المنورہ میں آباد یہود اس دن روزہ رکھا کرتے اور اس کو عید کا دن خیال کرتے تھے۔ (صحیح مسلم : ۲/۷۹۶، رقم:۱۱۹۱) یہود سے جب دریافت کیا گیا کہ وہ اس دن کیوں روزہ رکھتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ ایک عظیم اور مبارک دن ہے، اللہ سبحانہٗ نے اسی مبارک دن بنی اسرائیل کو ان کے دشمن فرعون سے نجات بخشی۔ اس کے شکرانہ میں حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اس دن روزہ رکھا۔ اس پر حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**فأنا احق بموسیٰ منکم فصامہ و امر بصیامہ**۔" (بخاری شریف:۱۸۸۰) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت تم سے زیادہ میں اس کا حق رکھتا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی روزہ رکھا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی روزہ رکھنے کی ہدایت فرمائی۔ بخاری (۵/۷۰، رقم:۳۹۴۳) ومسلم (۲/۷۹۵، رقم:۱۱۳۰) کی روایتوں میں "**و نحن نصومہ تعظیما لہٗ**" کے الفاظ مروی ہیں، مسند احمد (۱۴/۳۳۵) میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں "**وھو الیوم الذی استوت فیہ السفینۃ علی الجودی فصامہ نوح شکراً**" یہ وہ دن ہے جس دن حضرت نوح علیہ السلام کا سفینہ کوہ جودی سے جا لگا جس کے شکرانے میں انہوں نے روزہ رکھا۔ اس سے واضح ہے کہ عاشورہ کا روزہ شکرانہ کا روزہ ہے اور اس روزہ سے اس دن کی عظمت بھی مقصود ہے چونکہ مدینہ پاک کے یہود عاشورہ کے دن روزہ رکھتے تھے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا کہ یہود بھی روزہ رکھتے ہیں اور ہم بھی اس دن روزہ رکھیں گے، اس سے بظاہر ان سے مشابہت معلوم ہوتی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس میں فرق وامتیاز کی غرض سے) فرمایا کہ عاشورہ کے روزہ کے ساتھ تم ایسا کرو کہ نو محرم کو بھی روزہ رکھ لیا کرو تاکہ ان کے عمل سے مشابہت نہ ہو اور فرمایا ''اگر زندگی وفا کرے تو آئندہ سال میں خود بھی ۹ محرم الحرام کو روزہ رکھوں گا۔'' (معجم کبیر طبرانی:۱۱/۱۶، رقم:۱۰۸۹) لیکن اگلے سال سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیائے فانی سے پردہ فرمالیا۔ اس لئے یہود کی مشابہت سے بچنے کی غرض سے عاشورہ کے روزہ کے ساتھ ایک روزہ اضافہ کرلیا جائے ۱۰ محرم الحرام کے روزہ کے ساتھ ۹ محرم الحرام کو یا ۱۱ محرم الحرام کو بھی روزہ رکھ لیا جاسکتا ہے۔ الغرض یوم عاشورہ کے روزہ کے ساتھ ایک روزہ کا اضافہ مستحب ہے۔

حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے۔ "**و صوم یوم عاشوراء یکفر سنۃ ماضیۃ**" (مسند احمد: ۲۷/ ۲۲۱، رقم: ۲۲۵۳۵)

عاشورہ کا روزہ گزرے ہوئے ایک سال کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے جس کی وجہ صغیر گناہوں کی تلافی ہوجاتی ہے اور چھوٹی موٹی لغزشوں اور خطاؤں کے کفارہ کا سامان ہوجاتا ہے۔ اس طرح کے اعمال صالحہ پر اللہ سبحانہٗ کی بخشش ومغفرت اور بے پناہ اجر وثواب کا وعدہ اور ان نیک اعمال کا پچھلی غلطیوں اور سابقہ صغیرہ گناہوں کا کفارہ بن جانا گویا اللہ سبحانہٗ کی جانب سے بندہ کے حق میں دنیا میں باعث سکینت و رحمت اور آخرت کی کامیابی کی اس میں ضمانت ہے۔ ایک اور حدیث پاک میں وارد ہے۔ "صوموا یوم عاشوراء یوم کانت الانبیاء تصومہ" عاشورہ کے دن کا روزہ رکھو، کیونکہ اس دن انبیاء کرام روزہ رکھتے تھے۔ (الجامع الصغیر:۴/۲۱۵) یوم عاشورہ کا روزہ رکھنا حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عام معمول میں شامل تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دن کے روزہ کا بطور خاص اہتمام فرماتے۔ ایک حدیث پاک میں حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چار معمولات کا ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کبھی ترک نہ فرماتے۔ ان چار معمولات میں ایک یوم عاشورہ کا روزہ رکھنا بھی ہے۔ روایت اس طرح سے ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ چار چیزیں ایسی تھیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ترک نہیں فرمایا۔ یوم عاشورہ کا روزہ اور ذوالحجہ کا عشرہ یعنی پہلے نو دن کا روزہ اور ہر ماہ کے تین روزے (یعنی ایام بیض) کے روزے اور نماز فجر سے پہلے دو رکعت (سنت) (النسائی ومشکاۃ شریف صفحہ:۱۸۰) جس نے عاشورہ کا روزہ رکھا اسے ایک ہزار شہیدوں کا ثواب ملتا ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق ساتوں آسمانوں میں بسنے والے فرشتوں کا ثواب ملتا ہے۔ جس نے عاشورہ کا روزہ رکھا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس کے نامۂ اعمال میں ساٹھ سال کی نمازوں اور روزوں کا ثواب لکھ دیتے ہیں۔ (غنیۃ الطالبین، صفحہ:۵۳۳) انسان خطا ونسیان کا پتلہ ہے جانے انجانے میں اس سے خطائیں سرزد ہوسکتی ہیں اس سے بھلا کون انکار کرسکے گا، یہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا بے پایاں انعام واحسان، نوازش وکرم ہے کہ اس نے اپنی بے پناہ رحمتوں سے بندوں کو مالا مال کرنے اور اپنی عنایتیں ونوازشات ان پر نچھاور کرنے کے اسباب پیدا فرمائے اور بخشش ومغفرت کا وعدہ فرمایا ہے اس طرح اللہ سبحانہٗ نے اپنی رحمتوں کے دروازے کھلے رکھے ہیں، ارشاد باری ہے۔ (میری جانب سے) کہہ دو کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوجاؤ، بیشک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ (الزمر:۵۳) ارشاد باری ہے۔ ''ان الحسنات یذھبن السیئات'' بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو مٹادیتی ہیں۔ (سورہ ہود:۱۴)

حدیث پاک میں وارد ہے "واتبع السیئۃ الحسنۃ تمحھا" (سنن الترمذی:۵/۳۵۵، رقم:۱۹۸۷) برائی کے بعد کسی نیک کام کا انجام دینا برائی کو مٹادیتا ہے، اللہ سبحانہٗ اپنے بے پایاں فضل وکرم سے جب اپنے بندوں کو نوازنا چاہتے ہیں تو نہ صرف نامہ اعمال سے گناہوں کی سیاہی مٹادیتے ہیں بلکہ ان کے سیئات کو حسنات سے تبدیل فرمادیتے ہیں۔ (سورۃ فرقان:۷۰)

عاشورہ کے دن جہاں روزہ کی فضیلت ہے وہیں اہل خانہ پر دسترخوان کو وسیع کرنے کی فضیلت بھی حدیث پاک میں وارد ہے، جو اس کا اہتمام کرتے رہے اللہ سبحانہٗ تمام سال ان کے لئے وسعت رزق کی نعمت سے سرفراز فرماتے ہیں، حضرت سفیان کا فرمان ہے ہم نے اس پر عمل کیا اور ایسے ہی پایا۔ (یعنی رزق میں کشادگی) **وعن ابن مسعود قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من وسع علی عیالہ فی النفقۃ یوم عاشوراء وسع اللہ علیہ سائر سنتہ، قال سفیان: انا قد جربناہ فوجدناہ کذالک، رواہ رزین۔** (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح:۴/۱۳۴۹، رقم:۱۹۲۶)

(باقی .....صفحہ.....40.....پر)

مفتی راشد حسین ندوی

# سوال وجواب

س: آج کل ڈاکٹر دوائیں لکھتے ہیں، اور کسی خاص میڈیکل اسٹور سے دوا لینے کو کہتے ہیں، میڈیکل اسٹور اور ڈاکٹر کے درمیان باہمی طور پر طے رہتا ہے کہ دواؤں پر اتنے فیصد کمیشن میڈیکل اسٹور والے ڈاکٹر کو دیں گے، تو اس طرح کمیشن لینا اور دینا جائز ہے یا نہیں؟

ج: مریض کو صرف مشورہ دے کر کہ فلاں میڈیکل اسٹور سے دوا لینا ڈاکٹر کے لئے کمیشن لینا جائز نہیں، اس لئے کہ یہ ایسا کوئی عمل نہیں ہے جس پر اجرت کا استحقاق ہو، اسی طرح میڈیکل اسٹور والے کا یہ کمیشن دینا بھی جائز نہیں اس لئے کہ یہ رشوت دینا ہے، اور بلاضرورت رشوت دینا حرام ہے، البتہ اگر ڈاکٹر خود مریض کو دوا دلانے میڈیکل اسٹور جائے، یا اپنا آدمی اس کے ساتھ کردے تو کمیشن کا لینا دینا جائز ہوجائے گا، اس لئے کہ یہ ایک عمل ہے اس پر اجرت کا استحقاق ہوسکتا ہے۔ (شامی-۵/۶۵ کتاب الاجارۃ مسائل شتی)

س: دوکان اور مکان کا رنگ کرنے والے کاریگر کبھی ٹھیکے پر کام کرتے ہیں اور کبھی یومیہ مزدوری پر، دونوں صورتوں میں ان کا کسی دوکاندار سے معاملہ طے رہتا ہے اور دوکان داران کو سامان لینے پر کمیشن دیتا ہے، یہ کمیشن لینا جائز ہے یا نہیں؟

ج: جب رنگائی ٹھیکہ پر کر رہا ہو تو کاریگر کمیشن لے سکتا ہے، اس کو یہ مانا جائے گا کہ سامان اس کو سستے نرخ پر دیا گیا ہے، لیکن جب یومیہ مزدوری پر کام کر رہا ہو اور مالک مکان یا دوکان سامان اسی سے منگا لیتا ہے تو اس کے لئے کمیشن لینا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس کی حیثیت مالک کے وکیل کی ہے، جس کو ایک خاص اجرت پر خاص کام کے لئے رکھا گیا ہے، لہٰذا اس کے لئے یہ کمیشن لینا ناجائز ہوگا۔ (احسن الفتاویٰ:۲/۱۰۲) البتہ یہ تفصیل اس وقت ہے جب کسی خاص دوکان میں اس کا معاملہ ہو لیکن اگر علاقہ میں عام عرف ہو کہ کاریگر چاہے جس دوکان سے سامان لے اس کو کچھ کمیشن ضرور ملے گا تو اس کی حیثیت "جعالہ" انعام کی ہے جس کو فقہاء نے جائز قرار دیا ہے۔ (کتاب النوازل:۱۲/۳۸۵)

س: زمین جائداد کی خرید وفروخت کرنے والوں کو بائع یا مشتری یا دونوں سے کمیشن لینا کیسا ہے؟

ج: اگر عوض اور اجرت اس طرح متعین کی ہو جس میں نزاع کا کوئی اندیشہ نہ ہو، تو ایک جانب سے کمیشن لینا بھی جائز ہے اور دونوں جانب سے بھی لینا جائز ہے۔ (شامی:۵/۳۲/۴۴، احسن الفتاویٰ:۷/۲۷۲، ۲۷۳)

س: میں ایک کمپنی میں ملازمت کرتا ہوں، کمپنی کی جانب سے یہ حکم ہے کہ آٹھ گھنٹہ یومیہ کام کرنا ہے اور اس آٹھ گھنٹہ میں کوئی متعین عمل بھی کرنے کو دیا جاتا ہے، اگر میں یہ کام آٹھ گھنٹہ سے کم میں کرلوں تو کیا بچا ہوا وقت کسی اپنے کام میں لگا سکتا ہوں؟

ج: آپ نے جو شکل بتائی ہے اس میں اجارہ عمل اور وقت دونوں سے متعلق ہے، لہٰذا آٹھ گھنٹوں تک ڈیوٹی پر رہنا آپ پر ضروری ہوگا خواہ اپنا عمل مکمل ہی کیوں نہ کرلیا ہو۔ البتہ ڈیوٹی پر رہتے ہوئے آرام کرنا یا اپنا کام کرنا جو کمپنی کے کام میں حارج نہ ہو آپ کے لئے جائز ہوگا۔ (شامی کتاب الاجارہ:۵/۴۸)

س: آج کل کھیتوں کو کانٹریکٹ پر دینے کا عام رواج ہے، اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ ایک بیگھہ کھیت مالک زمین دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تم اس میں جو چاہو بو سکتے ہو، ہمیں ایک کوئنٹل دھان کی فصل میں دھان اور ایک کوئنٹل گیہوں کی فصل میں گیہوں دے دینا تو کیا شرعاً یہ شکل درست ہے؟

ج: یہ شکل زمین کو کرایہ پر دینے کی ہے لہٰذا جائز ہے۔ بشرطیکہ یہ شرط نہ لگائے کہ دھان گیہوں اسی زمین کا ہونا چاہئے، اس لئے کہ کرایہ کے طور پر ہر اس چیز کو مقرر کیا جاسکتا ہے جس کو ثمن کے طور پر مقرر کیا جاسکتا ہو۔ (شامی:۵/۲-۲۲)

میں نے کیوں اسلام قبول کیا؟

بحوالہ منصف حیدرآباد

# ایک روسی کمیونسٹ زیگانیشاف کا قبول اسلام

زندگی ایک خواب ہے، لیکن ایسا خواب جس کی حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے۔ میں اپنی زندگی میں واقع ہونے والے تغیرات پر جب غور کرتا ہوں تو گمان گزرتا ہے کہ خواب دیکھ رہا ہوں، لیکن میرے حواس خمسہ میرے خواب کی تردید کرتے ہیں۔ میں بھی سوچتا ہوں کہ کھلی ہوئی آنکھوں سے خواب کیسے دیکھا جاسکتا ہے۔ جو کچھ گزر گیا، وہ ایک حقیقت تھی اور اب جو کچھ گزر رہا ہے، وہ بھی ایک حقیقت ہے۔ میرے والدین ملحد تھے۔ ملحدانہ ماحول میں میری پرورش ہوئی تھی، اس لئے میں کسی غیر مرئی یا غیبی طاقت سے واقف نہیں تھا، البتہ میرے والدین اور میرے اکثر دوست مجھ سے کہتے تھے کہ دنیا میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں، جو کسی مافوق الفطرت ہستی کے وجود کو مانتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس دنیا کو اسی مافوق الفطرت ہستی نے بنایا ہے۔ میں جب اپنے والدین سے اس موضوع پر گفتگو کرتا تھا تو وہ کہتے تھے یہ سب خیالی باتیں ہیں۔ ان کی دلیل ہوتی تھی کہ جب انسان کے پاس علم نہیں تھا تو وہ توہمات سے اپنے خیال کی دنیا کو آباد رکھتا تھا، لیکن جب کارل مارکس نے دنیا کو معاشی ضرورتوں کا احساس دلایا، تو قدیم سرمایہ دارانہ نظام منہدم ہوگیا۔ کارل مارکس نے بتلایا کہ سرمایہ داروں نے ایک فرضی مافوق الفطرت ہستی کی تخلیق کرلی ہے۔ دنیا میں اس مافوق الفطرت ہستی کو مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ اس نام کا سہارا لے کر سرمایہ دار غریبوں کا استحصال کرتے ہیں۔ پیداواری ذرائع پر سرمایہ داروں کا قبضہ ہے۔ غریبوں کی مجبوری اور ان کی بے کسی کا سہارا لے کر سرمایہ دار خزانوں پر قبضہ کئے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں نے تقدیر پرستی کی ایک تھیوری ایجاد کرلی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس مافوق الفطرت ہستی نے غریبوں کو فاقہ کشی دی ہے، یہ محض ایک فریب ہے اور فاقہ کشوں کی بے کسی سے فائدہ اٹھانا ہے۔ کارل مارکس نے اپنے دوست اینگلز کی مدد سے فریب کا پردہ چاک کیا اور غریبوں اور فاقہ کشوں کے پیداواری ذرائع پر قابض سرمایہ دار موت کی نیند سوگئے۔ میں جس تعلیمی ادارے میں تعلیم حاصل کررہا تھا، وہاں الحاد کی تعلیم پر بہت زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ کمیونزم کی اسی مادری درسگاہ میں ہزاروں نوجوانوں کو اسٹالن کے فرمودات رٹائے جاتے تھے۔ ۲۵ سال کی زندگی پوری ہونے تک میں ایک مرد آہن کمیونسٹ بن چکا تھا، زیگانیشاف کے نام سے مجھے اچھی شہرت حاصل ہوچکی تھی۔ مجھے تقریر کرنے کے فن میں ماہر بنادیا گیا تھا۔ میں دنیا کے مختلف ملکوں مین جاکر الحادی نقطہ نظر سے گفتگو کرتا تھا۔

لیکن نہ جانے کیا بات تھی کہ میں بعض مرتبہ چونک جاتا تھا، از خود میری طبیعت ہی میں یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ جب از خود میں نے وجود حاصل نہیں کیا تو پھر یہ کائنات از خود وجود میں کیسے آسکتی؟ مجھے محسوس ہونے لگا کہ روزی روٹی ہی میری زندگی میں سب کچھ نہیں ہے، بلکہ میرے جسم میں روح بھی موجود ہے۔ آخر یہ روح کیا ہے؟ میں کبھی کبھی خوش کیوں ہوجاتا ہوں اور افسردہ و غمگین کیوں ہوتا ہوں؟ آہستہ آہستہ مجھے کائنات کے رازہائے سربستہ معلوم ہونے لگے۔ بڑے سے بڑے رہنما سے جب میں اپنے شکوک وشبہات کا اظہار کرتا تو انہیں مکمل طور پر جہل مجسم پاتا۔ ایک دن اپنے والد سے

جب میں اپنے خیالات کے تعلق سے گفتگو کررہا تھا تو وہ مجھ سے سخت ناراض ہوگئے اور انہوں نے کہا کہ میں کسی مافوق الفطرت ہستی کے اثر میں آ گیا ہوں۔ انہوں نے اپنے اثرات سے کام لیتے ہوئے مجھے روس سے باہر بھیجنے کا ایک پروگرام بنوادیا، ان کا خیال تھا کہ روس سے باہر جاکر جب مجھے مذہب پرستوں کو دیکھنے کا موقع ملے گا تو مجھے اندازہ ہوجائے گا کہ کمیونزم کس قدر دنیا کے لئے بہترین نظام ہے۔

بس یہی وہ زندگی کا موڑ تھا جس نے میری زندگی کو ایک عظیم انقلاب سے دوچار کردیا۔ خفیہ انقلابیوں کو مدد دینے کے لئے ایک گروپ تشکیل دیا گیا، میں اس گروپ کا لیڈر تھا۔ شام اور مصر میں جو الحادی موجود تھے، ان سے ہمیں رابطہ قائم کرنا تھا، لیکن ان ممالک میں پہنچ کر مجھے ایسا لگا کہ میرے قیام کی اصل جگہ یہی ہے اور یہاں کے رہنے والے مسلمان زمین کی بہترین مخلوق ہیں۔ جب اذان کی آواز میرے کانوں میں آتی تھی تو مجھ پر وجدان کی کیفیت طاری ہوجاتی تھی۔ مسجدوں میں جب نمازیوں کو آتے جاتے دیکھتا تھا تو مجھے اپنے بارے میں سوچنا پڑتا تھا کہ میں کون ہوں اور میں یہ سب کچھ کیوں نہیں کرسکتا، جو مسلمان کرتے ہیں۔

میں کمیونزم سے مسلمانوں کو متعارف کرانے گیا تھا، لیکن مسلمانوں سے متعارف ہونے کے بعد میں اسلام کا گرویدہ ہوگیا۔

جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ مساوات اسلام کے بنیادی عقیدوں کے مطابق ایک اہم خصوصیت ہے، تو میں حیرت زدہ رہ گیا۔ وجہ یہ تھی کہ اب تک میں یہ سمجھتا تھا کہ اسلام سرمایہ دارانہ نظام کا حامی ہے، لیکن جب مجھ پر اسلام کی اس خوبی کا انکشاف ہوا تو میری دلچسپی اسلام میں بہت زیادہ ہوگئی اور میں نے طے کرلیا کہ اسلام کا مطالعہ کرکے میں حقیقت حال کا علم حاصل کروں گا۔ میں نے علماء سے رابطے قائم کئے اور ان سے گفتگو کرکے اسلام کے بارے میں گرانقدر معلومات حاصل کیں۔ میرا مطالعہ اسلام کے بارے میں جس قدر وسیع ہوتا جارہا تھا، اس کے مطابق جذبات کا تلاطم میرے سینے میں موجزن ہوتا جاتا تھا۔ قاہرہ میں چند ماہ قیام کے دوران میں نے دنیا کی بہترین اسلامی تصانیف کا مطالعہ کیا اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ کارل مارکس اور اینگلز کی کوئی حیثیت نہیں ہے، بلکہ انسانوں کے مابین یکساں حقوق اور مساوات کا تصور اسلام کی دین ہے۔ اسلام کے آئین زندگی ہی سے دنیا کے دوسرے مفکرین نے نتائج اخذ کرکے فلسفے پیدا کرلئے ہیں۔ ایک شب میں نے خواب دیکھا کہ مارکس اور اینگلز مجھ سے ملاقات کے لئے آئے ہیں۔ دونوں کی داڑھیاں بہت بڑھی ہوئی ہیں، ان کی آنکھیں سرخ ہیں، بدحواسی ان کے چہروں سے نمایاں ہے، دونوں کے ہاتھوں پر کچھ لکھا ہوا ہے، لیکن زبان ایسی ہے جس کو پڑھنے سے میں قاصر ہوں، میرے پوچھنے پر دونوں نے اپنا تعارف کرایا اور بتایا کہ ان کے ہاتھوں پر فرشتوں نے گمراہ لکھ دیا ہے۔ دونوں کا کہنا تھا کہ انہوں نے اسلامی مساوات کو اپنے فلسفے کی بنیاد بنایا اور خدا بے زاری پیدا کرکے انسانی نسل کو گمراہ کیا، اس لئے وہ شیطانی دنیا کے باس بنادیئے گئے ہیں۔ انہوں نے مجھے انجام بد سے بچنے کے لئے اسلام قبول کرنے کے لئے کہا۔

واقعات تو بہت طویل ہیں لیکن میں نے اپنے ماضی کو نظرانداز کرتے ہوئے اسلام قبول کرنا طے کرلیا، مجھے اس حقیقت کا ادراک تھا کہ اسلام قبول کرنے کی صورت میں مجھے بے انتہا مشکلات اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا، الحاد کے طرف دار مجھے موت کی نیند سلاسکتے تھے، لیکن اسلام جس کے دل میں جگہ بنالیتا ہے اس کے لئے وہ جان سے بھی زیادہ عزیز ہوجاتا ہے، چنانچہ میں نے قاہرہ میں مسلمانوں کے درمیان اسلام قبول کرلیا۔ میں زیگانیشاف سے علی نیشاف بن گیا یعنی اسلام قبول کرنے کے ساتھ میں نے اپنی روسی شناخت کو قائم رکھا تاکہ میں روس میں داخل ہوسکوں، لیکن جلاوطنی میری تقدیر کا حصہ ہے۔

یہ کس قدر عجیب وغریب بات ہے کہ میں مسلمانوں میں الحادی خیالات کو فروغ دینے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ مجھے یہ زعم بھی تھا کہ میں روشن دماغی سے کام لیتے ہوئے

نوجوانوں کو کمیونزم کے رنگ میں رنگ دوں گا، لیکن مسلمانوں کے درمیان جاکر میں اسلام کے نور سے شرابور ہوگیا اور آج الحمدللہ میں مسلمان ہوں۔ مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی عار نہیں ہے کہ عالم اسلام کے علمی حلقوں سے میرے رابطے بہت اچھے ہیں۔ کمیونزم کے خلاف میں نے قلمی جہاد شروع کردیا ہے، مجھے اس بات سے بہت زیادہ مسرت ہے کہ میں نے کمیونزم کے تعلق سے اپنے جن خیالات کا اظہار کیا ہے، اس سے کمیونسٹ حلقے اور الحادی خیالات کے مافیا پسپا ہوچکے ہیں، میری دلیلوں کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔

اسلام کی برتری اسی میں ہے کہ وہ محض روٹی کپڑا اور مکان کی بات ہی نہیں کرتا، بلکہ اسلام کے نزدیک یہ زندگی کی بے حد سطحی ضروریات ہیں۔ اس سے بڑی ضرورت کردارسازی کی ہے۔ اسلام سب سے زیادہ کردارسازی پر زور دیتا ہے۔ اسلام دنیا کا پہلا مذہب ہے جو اخلاقی اقدار پر زور دیتا ہے۔ زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں واضح احکامات اسلام نے صادر نہ کئے ہوں، عدل ومساوات کی جو نظیر اسلام نے دنیا کے سامنے پیش کی ہے، وہ چمکتے ہوئے سورج کی طرح ہے۔ الحاد کے علمبرداروں کے پاس نہ علم کا کوئی تصور ہے اور نہ ان کی کتابوں میں اخلاقیات کی کوئی گنجائش ہے۔

کمیونزم یا الحادی حامیوں نے انسانی نسلوں کو بھی چوپایوں کی نسل سمجھ لیا ہے۔ انسانی حقوق کے تحفظ کا جو چارٹ الحادیوں نے مرتب کیا ہے، وہ اصل میں انسانی حقوق کی پامالی ہے، جہاں خواتین کی نسوانیت سے ہی انکار کردیا گیا ہے۔ الحادی معاشرے میں مرد جس طرح چاہیں خواتین کا استعمال کرسکتے ہیں، حلال و حرام کا کوئی تصور الحادیوں میں موجود نہیں ہے، جب کہ اسلام ہر قدم پر دنیا کی رہنمائی کرتا ہے۔ اگر اسلام نہ آتا تو دنیا ایک گہرے اندھیرے غار کی طرح ہوتی۔ میں نے اپنی کتاب ''اسلام بہ مقابلہ مذہب عالم'' میں واضح کیا ہے کہ فرضی مذاہب دیرپا نہیں ہوسکتے۔ ڈنڈے یا اندھے عقیدوں کی بنیاد پر کچھ نسلوں کو وہ متاثر کرسکتے ہیں لیکن ابدالآباد تک وہ اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتے، لیکن اسلام قیامت تک کے لئے ہے۔ کرۂ ارض پر رہنے والی نسلوں کو وہ ایک نظام عطا کرتا ہے۔ زمان ومکان کی قیود سے یہ بالاتر ہے، جب کہ الحادی نظام نے اپنی ناکامی کا اعلان کردیا ہے۔

بہرحال آج میں پختہ عقیدے کا مسلمان ہوں۔ اگر میری جان کے دشمن مجھ سے سوال کریں گے کہ میں اپنا ایمان بچانے کے لئے جان عزیز رکھتا ہوں یا موت، تو میرا جواب ہے کہ میں موت کو بہ خوشی گلے لگالوں گا، لیکن اپنا ایمان جانے نہیں دوں گا۔ (انشاءاللہ)

ooo

## بقیہ..... یوم عاشورہ کی عظمت وفضیلت

اللہ سبحانہٗ کو اعمال صالحہ محبوب ہیں، قرب الٰہی کا ذریعہ ہیں، خلاصہ کلام یہ کہ یوم عاشورہ کی عظمت وفضیلت دعوت فکر دے رہی ہے کہ وہ بندے جو تقرب الی اللہ چاہتے ہیں یوم عاشورہ کی عظمت و فضیلت کو پیش نظر رکھیں، روزوں کے اہتمام کے ساتھ ساتھ اپنی زندگی میں نمایاں تبدیلی لانے کا عزم مصمم کریں، خود کو خلق خدا اور ساری انسانیت کے لئے نفع بخش بنائیں۔ اللہ سبحانہٗ ہم سب کو اس سے روشنی حاصل کرنے اور اپنی زندگی کو عملی طور پر سنوارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

الغرض یوم عاشورہ کے تاریخی واقعات میں امت مسلمہ ہی کے لئے نہیں بلکہ ساری انسانیت کے لئے نصیحت و موعظت کے صدہا پہلو پنہاں ہیں، کارگہہ حیات کی شاہراہوں کو حق کی شمع سے روشن رکھا جاسکتا ہے، حق کو سربلند رکھنے کی مخلصانہ کوششیں نتیجہ خیز ثابت ہوسکتی ہیں، دشمنان اسلام کو اسی سے زیر کیا جاسکتا ہے، اپنی زندگی کو کامیاب وبامقصد بنایا جاسکتا ہے اور اس دن روزہ کا اہتمام کرکے اس کی فضیلت بھی حاصل کی جاسکتی ہے۔ جس سے بندگان خدا کے مقامات قرب میں اضافہ ہوسکتا ہے۔

ooo

آخری صفحہ

مولانا محمد قمر الزماں ندوی
استاد مدرسہ نورالاسلام کنڈہ پرتاپگڑھ

# تقویٰ و پرہیزگاری کو اپنی زندگی کا حصہ بنایئے

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: **انك لست بخير من احمر ولا اسود الا ان تفضله بتقویٰ** ۔(مسند احمد) تم اپنی ذات سے نہ کسی گورے کے مقابلے میں اچھے ہو اور نہ کسی کالے کے مقابلے میں، البتہ تقویٰ کی وجہ سے تمہیں کسی پر فضیلت ہو سکتی ہے۔ اس حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حقیقت عیاں ہوگئی کہ فضیلت و برتری اور ترجیح و فوقیت کا اسلام میں اصل معیار تقویٰ ہے نہ کہ کوئی دوسری چیز۔ قرآن مجید نے بھی **ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم** (درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو تم سب سے زیادہ متقی ہے) سے اسی حقیقت کی جانب اشارہ کیا ہے۔ دل میں خوف خدا ہو اور زندگی کی تعمیر و تشکیل خوف خدا اور خشیت الٰہی کے ذریعہ سے ہوئی ہو، بس یہی چیز آدمی کو مکرم و محترم اور محبوب و معزز بناتی ہے اور اسے دستار فضیلت عطا کرتی ہے۔ مال و دولت رنگ و نسل یا زبان و وطن کی بنیاد پر کسی کو افضل اور اعلیٰ و برتر سمجھنا کم فہمی بے عقلی ضلالت اور گمراہی۔ علماء نے تقویٰ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

تقویٰ درحقیقت ہوشمندی اور خدا ترسی کا نام ہے۔ خدا کا خوف و لحاظ زندگی کی تشکیل کی حقیقی بنیاد ہے۔ اگر زندگی کی تعمیر و تشکیل کے لئے یہ اصل اور بنیاد فراہم نہ ہو سکے تو زندگی بے کیف، بے مایہ بے وقعت، بے حقیقت اور بے آبرو ہو کر رہ جاتی ہے اور صرف یہی ایک نقصان نہیں کہ زندگی وقار و عظمت شان و شوکت سے محروم ہو جاتی ہے بلکہ زندگی میں کچھ ایسے بگاڑ اور فساد پیدا ہو جاتے ہیں جن کی قباحتوں کو ہر شخص آسانی سے محسوس کر لیتا ہے۔ بدیانتی ظلم و ستم، بے رحمی اور ناانصافی خدا سے بے خوفی اور ناخدا ترسی کے کڑوے کسیلے پھل ہیں جن کی بدمزگی اور کڑواہٹ کو سبھی محسوس کرتے ہیں۔ سچائی یہی ہے کہ زندگی کو سنوارنے بنانے اور اسے بامقصد اور بامعنی بنانے والی چیز خدا کا تقویٰ اور خوف ہے۔ ایک زرخیز زمین بھی اس وقت تک بیکار محض ہے جب تک اس کی کاشت نہ کی جائے۔ زمین میں بیج پڑنے کے بعد ہی اس کی صلاحیت بروئے کار آتی ہے اور اس کی زرخیزی اور صلاحیت کو ہم ایک لہلہاتی ہرا بھرا اور سرسبز و شاداب فصل کی شکل میں دیکھنے لگتے ہیں۔ خدا کا تقویٰ وہ بیج ہے جو زندگی کی فصل کے لئے درکار ہے۔ اس بیج سے کوئی مستثنیٰ اور علاحدہ رہ کر دنیا اور آخرت کامیابی کی امید رکھے وہ خام خیالی ہے۔ اس بیج کے مہیا نہ ہونے کی صورت میں جھاڑ جھنکار کے سوا ہم کسی اچھی فصل کی امید نہیں رکھ سکتے۔ (مستفاد کلام نبوت)

تقویٰ یہ عربی لفظ ہے جو وقی یقی وقیا سے ماخوذ ہے، جس کے معنی بچانا، اصلاح کرنا، خیال و لحاظ کرنا، ڈرنا، خوف کرنا، اللہ کی بڑائی کرنا، بچنا، احتیاط کرنا، پرہیز کرنا، اور خوف خدا کے ہیں۔ تقویٰ کا ذکر قرآن کریم میں تقریباً 242/ مرتبہ آیا ہے، اس سے ہم اور آپ تقویٰ کی اہمیت اور ضرورت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ تقویٰ کے مفہوم و مطلب اور مراد کو سمجھنے سے قرآن پاک کی

بنیادی تعلیمات کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔مولانا محمد منظور صاحب نعمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب...... اسلام کیا ہے؟.. میں تقویٰ اور پرہیز گاری کی حقیقت بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''تقویٰ اور پرہیز گاری کی تعلیم اسلام کی اصولی اور بنیادی تعلیمات میں سے ہے۔تقویٰ کا مطلب یہ ہے کہ آخرت کے حساب اور جزا اسزا پر یقین رکھتے ہوئے اور اللہ کی پکڑ اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے تمام برے کاموں اور بری باتوں سے بچا جائے اور اللہ کے حکموں پر چلا جائے۔یعنی جو چیزیں اللہ تعالی نے ہم پر فرض کی ہیں اور اپنے جن بندوں کے جو حق ہم پر لازم اور مقرر کئے ہیں ان کو ہم ادا کریں، اور جن کاموں اور جن باتوں کو حرام اور ناجائز کر دیا ہے ہم ان سے بچیں، اور ان کے پاس بھی نہ جائیں اور اس عذاب سے ڈرتے رہیں-قرآن وحدیث میں بڑی تاکید کے ساتھ اور بار بار اس تقویٰ کی تعلیم دی گئی ہے۔ (اسلام کیا ہے؟) تقویٰ پر جو شخص چلتا ہے یعنی جو محتاط واحتیاط اور خوف خدا والی زندگی گزارتا ہے اسے متقی کہتے ہیں:

مولانا ابوالکلام آزاد نے تقویٰ اور متقی کی تعریف یوں کی ہے:''زندگی کی تمام باتوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ دو طرح کے انسان پائے جاتے ہیں،بعض طبعیتیں محتاط ہوتی ہیں،بعض بے پرواہ ہوتی ہیں،جن کی طبیعت محتاط ہوتی ہے وہ ہر بات میں سمجھ بوجھ کر قدم اٹھاتے ہیں،اچھے برے،نفع نقصان،نشیب وفراز کا خیال رکھتے ہیں، جس بات میں برائی پاتے ہیں،جس بات میں اچھائی دیکھتے ہیں اختیار کر لیتے ہیں، جس حالت کو ہم نے یہاں احتیاط سے تعبیر کیا ہے اس کو قرآن تقوی سے تعبیر کرتا ہے۔متقی یعنی ایسا آدمی جو اپنے فکر وعمل میں بے پرواہ نہیں ہوتا۔ ہر بات کو درستی کے ساتھ سمجھنے اور کرنے کی کھٹک رکھتا ہے، برائی اور نقصان سے بچنا چاہتا ہے اور اچھائی اور فائدے کی جستجو رکھتا ہے۔''

(ترجمان القرآن جلد دوم صفحہ 2)

تقویٰ سے متعلق قرآن مجید میں واضح حکم ان الفاظ میں موجود ہے:...... **یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تُقٰتِہ ولا تموتن الا و انتم مسلمون۔** (آل عمران 102) اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جو اس کے تقوی کا حق ہے اور جان نہ دینا بجز اس حال کے کہ تم مسلم ہو۔اس آیت کا مطلب اور مفہوم یہ ہے کہ جیو تو قانون الٰہی اور تقوی کے ساتھ اور مرو اور جان دو تو قانون اسلام اور احکام شریعت کے مطیع رہ کر، زندگی اور موت دونوں کی منزلوں سے مسلمان کو اللہ کے تابع فرمان ہو کر ہی گزرنا ہے۔تقویٰ تمام امور کی جڑ اور ایمان واسلام کا حاصل و خلاصہ ہے یہ ایک جامع لفظ ہے اس میں تمام اسلامی تعلیمات آ جاتی ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آدمی تمام منہیات سے اپنے آپ کو روکے اور تمام اوامر پر عمل کرے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعاؤں میں کثرت سے خدا سے حصول تقویٰ کے لئے دعا کرتے تھے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے۔آپ دعا مانگتے تھے: **اللھم انی اسالك الھدی، و التقی و العفاف، و الغنی۔** (مسلم) اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت پرہیز گاری پاکدامنی اور غنا کا سوال کرتا ہوں۔ لیکن تقویٰ، احتیاط اور خوف خدا کیسے پیدا ہو؟ علماء نے لکھا ہے کہ تقویٰ، خوف خدا اور فکر آ ہونے کا سب سے زیادہ موثر ذریعہ اللہ کے ان نیک بندوں کی صحبت ہے جو خدا سے ڈرتے ہوں اور اس کے حکموں پر چلتے ہوں۔دوسرا ذریعہ دین کی اچھی معتبر اور مستند کتابوں کا پڑھنا اور سننا ہے اور تیسرا ذریعہ یہ ہے کہ تنہائی میں بیٹھ بیٹھ کر اپنی موت کا خیال کرے، اور مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیکیوں پر جو اجر وثواب اور گناہوں پر جو عذاب ملنے والا ہے اس کو یاد اور اس کا دھیان کیا کرے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان حقائق کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور خوف خدا والی زندگی گزارنا ہم لوگوں کے لئے آسان فرمائے آمین

○○○